لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

ZAHIR

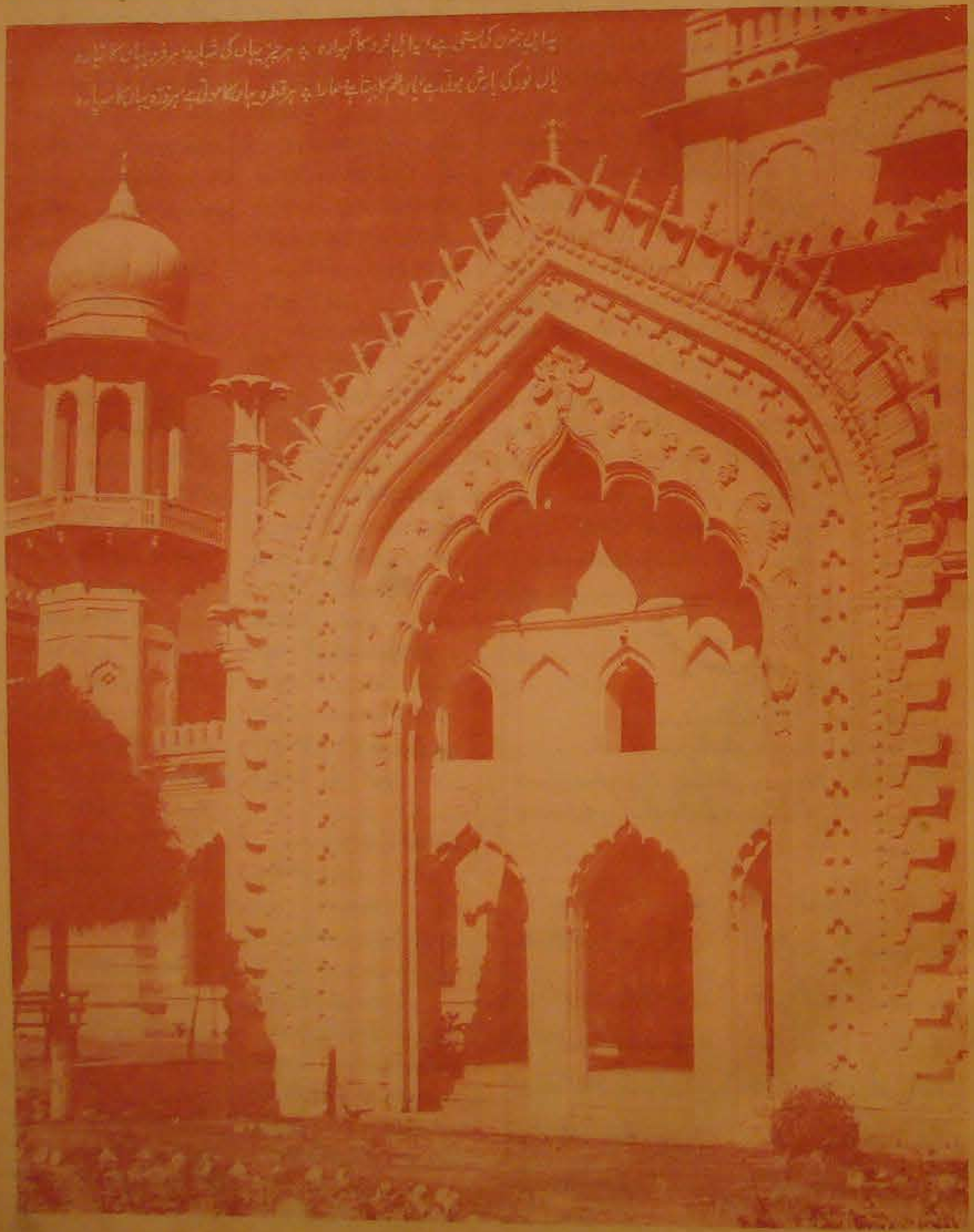

Regd. No. L.W/NP 56 FORTNIGHTLY Phone: 22948

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow (India)

دِن گنے جاتے تھے جس دِن کے لئے

شمس الحق ندوی

کئی مہینوں بلکہ سال بھر سے ذکر چل رہا تھا، ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی کا، اخبارات میں بار بار مضامین نکلے، ملک و بیرون ملک کے پریس نے دلچسپی لی، جگہ جگہ اسی کا ذکر، اسی کا چرچا، ۳۰ اکتوبر، یکم، دو، تین نومبر ۱۹۷۵ء تاریخیں مقرر تھیں، ذکر چلتا رہا اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کا جذب و شوق بڑھتا رہا اور نگاہیں اس مبارک گھڑی کی مشتاق رہیں، عوام و خواص سبھی کو شرکت کا شوق تھا مگر منتظمین کے لئے دشواری یہ تھی اگر اذنِ عام ہوتا تو عجب نہیں کہ آنے والے اتنی بڑی تعداد میں آجاتے کہ نظم برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا لہٰذا پابندی ناگزیر ہوئی، کتنے دل ٹوٹے، کتنے مچل مچل کر رہ گئے، منتظمین کو قلق ہوا مگر مجبور تھے —

۲۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء سے جلسہ کا آغاز تھا مگر باہر سے آنے والے معزز مہمان ۲۰ اکتوبر ہی سے بمبئی ایرپورٹ پر اترنے لگے، پھر وہاں سے دلی اور دلی سے لکھنؤ پرواز کرنے لگے، مسلمانانِ لکھنؤ نے جوق در جوق جذب و شوق کے عالم میں ہزاروں کی تعداد میں لکھنؤ ایرپورٹ پر مہمانوں کا استقبال کیا، لکھنؤ کے ہندوستانی جوانوں نے بڑی گرمجوشی سے جشن کا سماں باندھا۔ شیخ الازہر کی آمد کا دن ایک یادگار دن تھا۔ استقبال کرنے والوں کا ایسا ہجوم تھا کہ پولیس کے گھیروں سے باہر ہو گیا، شوق و محبت کی بات تھی اس لئے کوئی ناخوشگوار بات نہیں پیش آئی۔

ان معزز مہمانوں کے داعی و میزبان حضرت مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندوی مدظلہ خود ایرپورٹ تشریف لیجاتے اور جہاز کے قریب جا کر مہمانوں کا استقبال کرتے۔ ۲۹ اکتوبر کی صبح کو سات بجے کی فلائٹ سے مہمانوں کی متوقع آمد ہو گئی اور ۹½ بجے تاریخ جشن کا پہلا یادگار و تاریخی جلسہ شروع ہوا۔

حاضرین کے دلوں میں شوق و محبت کے جذبات اور آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس کی نہ تو مصوروں کے کیمرے تصویر لے سکتے تھے اور نہ ادیبوں کے قلم اس کی صحیح تصویر پیش کر سکتے ہیں۔ باہر سے آنے والے مہمان جو شمار میں دو چار کو چھوڑ کر عربی لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، اکثر کے عقال و سفید رومال سے ڈاڑھی کو چار چاند لگ گئے۔

ان کے چہروں پر اس علم و تقویٰ اور سادہ و دیندار مسلمانوں کو دیکھ کر فرحت و انبساط کی کیفیتیں ابھر رہی تھیں، اخباری رپورٹ کے مطابق ۲۵ ہزار کا مجمع اور ڈائس پر ہندوستانی علماء و فضلاء کے علاوہ باہر سے آنے والے تقریباً ستر ممتاز و نامور مہمانوں کی جلوہ افروزی سے کچھ عجب سماں تھا۔ اخباری رپورٹر و صحافی پابندی و ممانعت کے باوجود اس ظاہری منظر کی تصویر لے رہے تھے مگر اہل دل و صاحب نظر حضرات کی نگاہوں میں اتنی بڑی تعداد میں عرب مہمانوں کو دیکھ کر ماضی کی تاریخ پھر جاتی تھی۔ قرن اول کے عربوں کی یاد انہیں کسی اور خیال میں کھو دیتی تھی، کبھی ان کو صحرا کے کھجوروں کا جھرمٹ نظر آتا اور کبھی اونٹ قطار اندر قطار، ایک تصویر جاتی دوسری آتی۔ کھجور کے پتوں کی مسجد میں خرقہ و گلیم پوش امام و مقتدی کی وہ جھلک نگاہوں میں پھر جاتی جس پر چاند و سورج نچھاور ہوں۔ پھر یہ تصویر پھیلنے لگی اور جلد جیسے جلد ایمن میں اس طرح داخل ہوتی کہ بڑے بڑے سرکش سر خمیدہ و دست بستہ نظر آتے، اقتدار و قوت گھٹنا اور پھر روشنی سے گذر کر سادہ و پرکشش شہسواروں کے گھوڑے مصر و شام میں دوڑتے نظر آتے، ساحل دجلہ پر پہونچتے اور عجب کھیل کھیلتے ہوئے سطح دجلہ سے اس طرح گذر جاتے کہ ان کے گھوڑوں کے سُم تک نہ تر ہوتے۔ کبھی ایک شہسوار پوری رفتار سے گھوڑا دوڑاتا نظر آتا، دوسرا شخص گھوڑے کے پیچھے پیدل دوڑتا ہوا، گھوڑا اپنی منزل پر پہونچتا تو شہسوار نیچے اتر کر عرق آلود جبین جھکائے ہوئے پیدل دوڑنے والے سے معافی کا طالب دکھائی دیتا۔ عقدہ یوں کھلتا کہ شہسوار سپاہی ہے جو خدمت پر آیا تھا اور دوڑنے والا خلیفہ (حضرت عمرؓ) ہے جو مسلمانوں کا حال معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہے اور دوڑ رہا ہے، کبھی عرب شہسواروں کے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دیتی تو کبھی ان کے ذکر و تلاوت اور تسبیح و مناجات کا زمزمہ کانوں میں گونجتا۔ جب وہ اس کیف و بے خودی سے ہوشیار ہوتے تو ان کی نگاہیں صبح نو کی تابانی میں کھو جاتیں اور ان اسلاف کو اس صبح کی نوید تصور کرنے لگتے۔

(اہل دل اور اہل نظر کے لئے ...)

گوشۂ تنہائی میں خدا سے بہت مانگا ہے ایسا عجب ہے کہ وہ صبح طلوع ہو اور ستاروں کی یہ چمک تابی اسی کا مقدمہ ہو۔

ظاہری آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دارالعلوم کا وسیع احاطہ مرکری لائٹ سے جگمگا رہا ہے اور ظاہری حسن و جمال کا نور برس رہا ہے۔ بارگوں میں گل و لالہ کے چہروں پر مسکراہٹ نکھار ہے

اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیرہن

مگر جن نگاہوں کو بصارت کے ساتھ بصیرت بھی حاصل تھی وہ ان ہنستی ہوئی کلیوں اور نور برساتی ہوئی روشنیوں کو کوئی اور عبارت پڑھ رہی تھیں۔

یہ جو کچھ ہو رہا تھا ایک نبی امی کی نسبت سے ہو رہا تھا اور عربوں کی آمد اس ذوق و شوق اور محبت و فدائیت کو یاد دلا رہی تھی جو ان کے اسلاف نے اس نبی کی دعوت پر پیش کی تھی ان کی آمد اس نسبت سے تھی اور اس کا طبعی اور فطری یہ پیام تھا کہ

سینہ خالی کنید از دل بیار زنگار می آید

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستانی مسلمان جب کسی عرب کو دیکھتا ہے تو اس کی سیرت کو نہیں پڑھتا بلکہ اس کی صورت ان مقدس ہستیوں کی یاد تازہ کرتی ہے جن پر یہ دل و جان قربان کرنے کو تیار ہے، اب ظاہر ہے کہ اس موقع پر اس کے شوق و محبت کا کیا حال ہوگا۔

یہ اجلاس چار دن تک رہا اور بڑے پرسکون و سازگار ماحول میں ختم ہوا۔ تجاویز جو پاس ہوئیں وہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

صاف محسوس ہوا کہ اس جلسہ نے عرب دنیا میں ہندوستانی مسلمانوں کا مقام بہت بلند کر دیا حاضرین کی کثرت، ہندی مسلمانوں کی موجودہ صورت اور دین سے تعلق، اپنے عقیدہ پر پختہ اور سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر اپنے اصولوں کو دانتوں سے پکڑے رہنے کے عزم نے اگر حال کا تاثر دیا تو ندوۃ العلماء کی علمی نمائش نے ہندوستانی مسلمانوں کے ناقابل فراموش تاریخی، علمی کارناموں کو پیش کر کے اپنی اہمیت و برتری ثابت کی۔ سب سے اہم بات جو اس اجلاس نے باہر کے مہمانوں کو یاد دلائی وہ یہ کہ سو سال تک انگریزی سامراج کے زیر اقتدار رہنے کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے دین و عقیدہ کے ایک ایک جزو تک سے دست بردار ہونا گوارا نہیں کیا۔ سکون کا سماں تھا، ہجوم تھا مگر شور نہیں تھا، پولیس تھی مگر کام نہیں تھا۔ ہر نوع و ہر طبقہ کے لوگ تھے مگر مست و مدہوش تھے۔

لوگوں کے معیار فکر و میلانوں کا مختلف ہونا بھی ایک فطری بات ہے چنانچہ کبھی کبھی محسوس ہوتا کہ کچھ دل بیزار طلبی یا احساس کمتری کا شکار ہیں اور کچھ ..... تو کوئی بیتاب ہو کر بول اٹھتا،

مجو از من کلام عارفانہ
کہ من دارم سرشتِ عاشقانہ
برنگ لالہ خوں را اندریں باغ
بیفشانم چو شبنم دانہ دانہ

اس آواز سے بدگمانیوں کے بادل چھٹے، اور سامعین کے ہونٹ یوں حرکت کرنے لگے ؎

امیر کارواں آں اعجمی کیست
سرود او بآہنگ عرب نیست
زند آں نغمہ کز سیرابی او
خنک دل در بیابانے تواں زیست

جواب ملتا ہے ؎

میکدۂ حجاز کا ساقی نیک نام ہے

پھر سکون کی چادر فضا اور وسیع ہو جاتی، دھڑکتے دل تھم جاتے، درد دل مسکرا کر آنکھیں نمناک ہو جاتیں۔

چوتھے دن جلسہ ختم ہو گیا، مہمان دلوں میں ایک کیف و سرور لئے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ اتنا بڑا مجمع ہو اور کسی کو کوئی شکایت نہ ہو یہ کچھ غیر فطری سی بات ہے لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں، معیار و طرز نزاکت مختلف ہوتا ہے سب کی خاطر و مہمان داری اسی انداز سے کر لینا بہت مشکل کام ہے اس لئے یقیناً ہمارے مہمانوں کو کچھ ضرور تکلیف پہونچی ہوگی، یہ اور بات ہے کہ کچھ حضرات نے موقع کی نزاکت کو سمجھ کر خندہ پیشانی سے اسے گوارا کر لیا اور کچھ حضرات شکوہ بلب بھی ہوئے۔ ہم سب معذرت کرتے ہیں کہ آپ کو جو بھی زحمت پیش آئی ہوگی، نادانستہ ہی پیش آئی ہوگی۔

پرنٹر پبلشر مسئول سید محمد حسنی نے ... آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔
ایڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی

۲۲ محرم ۱۳۹۶ھ — ۲۵ جنوری ۱۹۷۶ء

ایڈیٹر: اسحاق جلیس ندوی

جلد ۱۳ شمارہ نمبر ۶

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ

فی پرچہ ۵۰ پیسے — سالانہ: بارہ روپے

سامراج کی نئی سازش

اسحٰق جلیس ندوی

عالم عربی کے قلب میں اسرائیلی مملکت کے قیام اور اس کو استحکام بخشنے کی سازش بظاہر تکمیل کو پہونچ چکی ہے اور اب ایک نئی سازش کا لاوا مشرقِ وسطیٰ میں پھوٹ پڑا ہے۔

یہ سازش ایک عیسائی مملکت کے قیام کی ہے۔ لبنان کی خانہ جنگی اور امن، آزادی، عافیت اور قدرتی مناظر اور جدید تمدن کے اعتبار سے مشرقِ وسطیٰ کے سوئزرلینڈ کہلائے جانے والے لبنان کو تقسیم کر کے ایک آزاد عیسائی حکومت کے قیام کا منصوبہ جدا خواستہ پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔ اس وقت تک اخباری خبروں میں تو صرف یہ بات ہے کہ لبنان کے فرزند فرقہ وارانہ فسادات اور جنگ و جدال میں ہزاروں کی تعداد میں ہلاک اور زخمی ہو رہے ہیں۔

مگر ان خبروں کا پس منظر، لبنان کی ماضی کی تاریخ اس عیسائی مملکت کی پہلی جنگ عظیم کے بعد تشکیل اور قیام کا جب تک باریک بینی سے جائزہ نہیں لیا جائے گا حالیہ سنگین صورت حال اور اس کا تشویشناک انجام صحیح طور پر سمجھنا مشکل ہے۔

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست اور سلطنت عثمانیہ کے سقوط کے بعد مغربی سامراج نے عالم عربی کے جس بیدردی سے حصے بخرے کئے اور عربوں کو جس طرح پامال و بے دست و پا کیا وہ انسانی تاریخ کا ایک المناک اور عبرت انگیز باب ہے۔ وہ عرب جنھوں نے اپنے دینی بھائیوں کے خلاف انگریزوں کی شہ پر اور ان کی دوستی پر اعتماد کر کے علم بغاوت بلند کیا تھا جب جنگ میں کامیابی کے بعد اپنا حصہ لینے پہونچے تو انھیں نہایت تلخ و رسوا کن تجربے سے گذرنا پڑا۔ ایک متحدہ عرب سلطنت کے بجائے نیم غلام کئی چھوٹی چھوٹی مملکتیں ان کے حصے میں آئیں اور بقیہ عرب علاقہ دوسری جنگ عظیم کے بعد تک مغربی سامراج کا کلی طور پر غلام رہا۔ سلطنت عثمانیہ کے غیور فرماں روا خلیفہ سلطان عبد الحمید نے جن یہودیوں کو ارض مقدس میں بسنے تک کی اجازت نہیں دی تھی وہاں اسرائیل کی مستقل حکومت بنا دی گئی اور لاکھوں فلسطینی عرب اپنے وطن سے غریب الدیار کر دئے گئے۔

لبنان شام کا جائز حق اور حصہ تھا مگر اسے کاٹ کر ایک مستقل مملکت کی حیثیت دی گئی۔ لبنان کو علیحدہ حیثیت دینے کے پس پردہ وہ ناپاک منصوبہ تھا جو ساٹھ سال بعد تکمیل کو پہونچ رہا ہے یعنی مشرق وسطیٰ میں ایک خالص عیسائی مملکت کا قیام۔ لبنان کے بعض حصوں میں عیسائیوں کی ایک معتد بہ تعداد تھی۔ بحیثیت مجموعی پورے لبنان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر نصف صدی قبل سازش، منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے ذریعہ عیسائیوں کی اکثریت ظاہر کر کے اور ایک ایسا دستور بنا کر جس میں تمام اختیارات عیسائی اقلیت کو حاصل تھے، ملک کا نظام چلتا رہا۔ اس نصف صدی میں مسلمانوں کی طرف سے بار بار رائے شماری کا مطالبہ ہوتا رہا۔ مگر اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی اور مسلم اکثریت کے ایک ملک میں مسلمانوں پر عیسائی اقلیت کی زیادتی اور امتیازی سلوک بار بار مسلمانوں کو بے چین کرتا رہا مگر با اثر و با اقتدار عیسائیوں نے ان کے جائز مطالبات کو ہمیشہ ٹھکرایا، انکی جائز شکایات پر کان نہ دھرا اور ان کے جائز حقوق کو پامال کیا۔

لبنان کی حالیہ خونریزی فلسطینی پناہ گزینوں کو بہانہ بنا کر شروع کی گئی مگر در پردہ اس میں وہ سامراجی طاقتیں شریک ہیں جو مشرق وسطیٰ میں ایک ایسی عیسائی مملکت کو وجود بخشنا چاہتی ہیں جو اسرائیل کی حلیف اور اس کی توسیع پسندانہ پالیسی کی مقلد ہو۔ یہ عیسائی مملکت مشرقِ وسطیٰ میں سامراجیوں کی امداد و اعانت سے وہی جارحیت اختیار کرکے عربوں اور مسلمانوں کے علاقوں کو غصب کرتی رہے اور ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دے جس طرح اسرائیل کا عمل ہے۔

لبنان کی تازہ صورت حال نے وہاں کے مسلمانوں کو جس طرح پراگندہ اور وحشت زدہ کر رہا ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تقریباً تین لاکھ لبنانی مسلمان اپنے وطن سے ہجرت کر کے اس وقت شام میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

اخباری اطلاعات سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ لبنان کی حالیہ خانہ جنگی میں مسلمانوں کا پلہ بھاری ہے۔ مگر صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ اسرائیل سے اور امریکہ سے مہلک ترین اسلحہ عیسائی انتہا پسندوں کو مل رہا ہے اور وہ بار بار صلح کی گفت و شنید کو ناکام کر کے مسلمانوں پر منظم حملے کرتے ہیں۔ مسلمان جہاں مدافعت کرتے ہیں وہاں لبنانی فوج (جس پر عیسائیوں کا غلبہ ہے اور وزیر دفاع شمعون خود عیسائی ہے) حملہ آور عیسائیوں کی مدد اور مدافعت کرنے والے مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے پہونچتی ہے۔

قیام امن کے لئے اس فوج کا استعمال جو خود جانبدار اور ظالموں کی حلیف ہو مسلمانوں کو گوارا نہیں مگر فوج کا اس طرح استعمال برابر جاری ہے۔ وزیر اعظم رشید کرامی ایسے بے اثر ہیں کہ عیسائی صدر اور عیسائی وزیر دفاع کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر لبنان کی خانہ جنگی میں مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوتا تو وہاں کی حکومت کی امن کی مخلصانہ کوششیں پر انہیں اعتماد ہوتا تو وہ لاکھوں کی تعداد میں ترکِ وطن پر مجبور نہ ہوتے۔

شام سے آئے ہوئے ایک دوست نے بتلایا کہ ایسے الدار لبنانی مسلمان جن کی اپنے وطن میں عالیشان بلڈنگیں اور لاکھوں کی تجارت تھی آج حمص، حماۃ وغیرہ شامی شہروں میں خیموں میں زندگی گذارنے پر مجبور ہیں اور ان کی تعداد ۳ لاکھ تک گذشتہ ماہ پہونچ چکی تھی۔

صلح کی گفت و شنید اور معاہدہ کی سیاہی ابھی خشک بھی نہیں ہو پاتی کہ انتہا پسند عیسائیوں کی طرف سے کوئی جارحانہ اقدام ہو جاتا ہے اور پھر آگ و خون کے سیلاب سے لبنان گذرتا ہے۔

مشرقِ وسطیٰ میں یہودی مملکت کے قیام کے ربع صدی کے بعد تک وہاں کے جلاوطن پناہ گزینوں کے مسئلہ سے ہنوز عالم اسلام اور دنیائے عرب عہدہ برآ نہیں ہوا تو اب ایک عیسائی مملکت کے قیام کا ایسا بھیانک آغاز ہو رہا ہے کہ لاکھوں پناہ گزیں پڑوس کی مسلم ریاستوں میں آسمان کی چھت کے نیچے زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔

تجاویز جشن تعلیمی منعقدہ دار العلوم ندوۃ العلماء

حمد و ثنا کے بعد: یہ اجلاس جشن تعلیمی جسے ندوۃ العلماء نے ۲۷ رشوال سے ۳۰ رشوال تک فضیلت مآب شیخ الازہر کی صدارت میں منعقد کیا، درحقیقت اس نورِ ایمانی عکس پر جس کی روشنی سے ہندوستانی مسلمانوں کے دل منور ہیں، اس اجلاس میں شریک وفود اس دن کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں جس دن دنیا کے تمام حصوں سے ظلم و جور کی طاقتوں کو شکست فاش ہوگی اور سارے روئے زمین پر اس عدل انسانی کا دَور دَورہ ہو جائے گا جس سے انسانیت صدیوں سے بہرہ ور رہی ہے۔

ہم بڑے اطمینان قلب کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجلاس جن مقاصد کی خاطر منعقد ہوا تھا اس میں وہ پوری طرح کامیاب ہوا ہے اور یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔

ان حالات میں شرکائے اجلاس پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کا تقاضہ ہے کہ ہم اس اجلاس میں چند ایسی تجاویز منظور کریں جن کے ذریعہ مسلمانوں کے ان مسائل اور مشکلات کا حل نکالا جا سکے جن سے زندگی کے مختلف گوشوں اور دَوروں میں ان کو سابقہ رہتا ہے اور ہم بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہیں کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے کہ وہ ایسا طریقۂ عمل اور طرزِ زندگی اختیار کریں جو ان کی ترقی اور کامرانی اور سعادت کا ضامن ہو۔

اب ہم مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتے ہیں:

۱۔ شرکائے اجلاس کو اس بات کا احساس ہے کہ عالم اسلامی کی تمام قومیں جو سامراجی اقوام کی فوجی اور سیاسی بالادستی سے علاً آزاد ہو چکی ہیں اب ان میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ سامراجی اقوام کی تہذیبی اور فکری غلامی اور بالادستی سے بھی بہ مکمل طریقہ سے آزاد ہو جائیں اور اس کا واحد طریقہ تعلیم و تربیت کو خالص اسلامی بنیادوں پر قائم کرنا ہے اور یہ کہ تعلیم کے تمام منزلوں میں اس طرح نصاب تعلیم وضع کیا جائے کہ اسلامی فکر و عقیدہ اور اسلام کے پیام اس کی انفرادیت، اس کی ذہانت سے پوری طرح نہ صرف متفق ہو بلکہ گرویدگی کن افکار اور اس میں مدد دینے والی تمام باتوں سے پوری طرح پاک و صاف رہیں اور اسی طرح کہ عالم میں رائج نصاب تعلیم میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ بالکل ختم ہو جائے۔

۲۔ اور مذکورہ بالا مقصد کو پورا کرنے کے لئے شرکائے اجلاس کی تجویز یہ ہے کہ عالم اسلام کی سطح پر ایک ایسی علمی اکاڈمی کی تشکیل کی جائے جس میں وہ علماء اور مفکرین شامل ہوں جو تعلیم و تربیت سے متعلق ہیں پھر اکاڈمی تعلیم و تربیت سے متعلق ریسرچ اور تحقیق و تدقیق کا کام کرے۔

۳۔ شرکائے اجلاس سعودی عرب کی یونیورسٹیوں سے التماس کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسی عالمی کانفرنس منعقد کرنے کی ذمہ داری قبول کریں جو ان وسائل اور طریقوں پر غور کرے جن کے ذریعہ سے مذکورہ بالا مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔

۴۔ شرکائے اجلاس عالم اسلامی کے مختلف گوشوں میں موجود تعلیمی اداروں اور اسلامی یونیورسٹیوں کے ذمہ داروں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے یہاں نصاب تعلیم میں ایسی تبدیلی اور ترمیم کریں جو روح شریعت سے ہم آہنگ اور پوری طرح ان سے متفق ہوں۔

۵۔ شرکائے اجلاس تمام اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام پر جو فلم بنائی گئی ہے اسے دکھانے سے روک دیں اور اس کے ساتھ ان تمام فلموں کو روک دیں جن کے بنانے اور پیش کرنے کی حرمت پر تمام علماء متفق ہیں اس لئے کہ اس قسم کی فلموں کے دکھانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی توہین ہوتی ہے۔ آپ کی اور آپ کے کرام

۶۔ ہم ان کوششوں کی مذمت کرتے ہیں جو مستقل بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ ...... سے متصل اوقاف پر قبضہ کرنے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں۔ اور فلسطینی قوم کی املاک و جائداد جو بیت المقدس اور شہر خلیل اور دیگر فلسطینی خطے پر حاوی ہیں۔

۷۔ شہر خلیل میں واقع مسجد پر جو زبردستی اور یہودیوں کے درمیان سے تقسیم کرنے کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں ہم ان کی سخت مذمت کرتے ہیں کیونکہ ان کے پیچھے یہ نظریہ کارفرما ہے کہ یہاں پر قبضہ کر لیا جائے اور ایسے مواقع پیدا کئے جائیں جن کی وجہ سے مسلمان اس مسجد میں اپنے دینی شعار ادا نہ کر سکیں، اسی لئے شرکائے اجلاس یونائیٹڈ نیشن اور ان کے سکریٹری جنرل سکریٹری تنظیموں کو تار بھیجکر اس پر احتجاج کرتے ہیں۔

۸۔ قرآن کریم کی بعض آیات کی اور خاص طور سے ان کی جن میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے تحریف کی جا رہی ہے اس پر ہم احتجاج کرتے ہیں۔ اور اس کام کے لئے دنیا کے مختلف گوشوں میں تحریف شدہ قرآن شائع کئے جا رہے ہیں اس کے ساتھ اسرائیلی ذمہ دار عربی درس و تدریس، تاریخ مسئلہ فلسطین اور تمام اوراق مقدسہ کے پڑھانے میں دقتیں پیدا کرتے ہیں اور انھیں پڑھانے سے روکتے ہیں، ہم اس پر شدید احتجاج کرتے ہیں۔

۹۔ مسئلہ فلسطین اور اماکن مقدسہ کے مسئلہ کو اسلامی مسئلہ سمجھا جائے اور ان تمام جگہوں کو واپس لینے کے لئے مسلمانوں کو دعوت دی جائے اور جہاد کیا جائے۔

۱۰۔ شرکائے اجلاس تمام فلسطینی تنظیموں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ عقیدہ اسلامی پر مضبوطی سے قائم رہیں اور تمام معاملات میں اسلام کو مثال بنائیں اور اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کریں اس لئے کہ اس سے مطلوبہ ممالک واپس ہو سکتے ہیں۔

۱۱۔ حکومت ہند نے اسرائیل کے ساتھ جس انداز سے سفارتی تعلقات قائم کرنے سے انکار کیا ہے ان کے ہم شکر گذار ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ ایسے اپنے سب اقدامات کرتی رہے گی جس فلسطین اور فلسطینی قوم کی مدد ہو سکے۔

۱۲۔ شرکائے اجلاس، لبنان میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اور ان کو ختم کرنے کی جو پالیسی جاری ہے اس پر اپنے قلق و اضطراب کا اظہار کرتے ہیں اور تمام اسلامی مرکزوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں اور تمام ذمہ داروں کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں کہ لبنانی مسلمانوں کے مسائل اور مسائل کا حل نکالیں اور ان تمام تکلیفوں اور پریشانیوں کو دور کریں تاکہ ملک کے دستور کے مطابق جمہوری نظام میں اپنے حقوق کی ادائیگی کر سکیں۔

۱۳۔ چونکہ عربی زبان قرآن و حدیث کی زبان ہے اور درحقیقت مسلمانوں کے وجود کی بنیاد ہے۔

یہ اجلاس مسلم حکومتوں کو عربی زبان کے اہتمام کی ہدایت کرتا ہے اور مسلم اقلیتوں کے ساتھ رعایت کا درخواست کرتا ہے تاکہ عربی زبان مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کا ذریعہ بنے۔ یہ اجلاس تمام حکومتوں اور مسلم انجمنوں کی شرکت کا مشکور ہے، اجلاس شہر لکھنؤ کے سرکاری حکام اور انتظامیہ کا بھی مشکور ہے اور حکومت اترپردیش کا بیحد شکر گذار ہے کہ انہوں نے اجلاس کی کامیابی کے لئے تمام سہولتیں فراہم کیں۔ اور اجلاس ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا مشکور ہے کہ ہمیں اہتمام تبادلۂ خیالات کا موقع فراہم کیا۔

خیر مقدم

۳۱ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۷۵ء جشن تعلیمی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے موقعہ پر جب کہ تمام عالم اسلام اور ملک کے دانشور، مدبرین علماء کرام، مشائخ و صوفیاء اور ہر مکتب فکر کے معزز مہمان مجتمع تھے۔ یہ نظم برجستہ عظیم اجتماع کے پیش نظر کہی گئی۔

(اکرام الرحمٰن خاں رتبط رحمانی، سیتاپور)

اتحادِ ملتِ بیضا کی تو تعبیر ہے
یہ ۸۵ سالہ جشنِ علم و عرفاں کی بہار
یہ چمن زارِ عرب اور یہ عجم کی سرزمیں
عالم اسلام تیرے گھر کا مہماں آج ہے
روح بوالقاسم کے جذبے کی صداقت زندہ ہو
لہلہاتا باغِ عرفاں پھر نظر آتا ہے آج
بوالحسن تیری کرامت کا یہ سب اعجاز ہے
ربط یہ شوکت یہ عظمت یہ بلندی یہ وقار

مرحبا۔ اے ندوۃ العلماء تری تقدیر ہے
تیری عظمت پر یہ اہلِ دین و دنیا ہیں نثار
خاک پر جیسے تری اُتری ہو فردوسِ بریں
اے خوشا یہ حامیانِ دین کی معراج ہے
طارقؓ و خالدؓ کا ہر عزمِ جواں پائندہ ہے
زندۂ جاوید ایماں پھر نظر آتا ہے آج
قوم کی تو ہر صدا پر گوش بر آواز ہے
یہ صفاتِ عالیہ ندوہ کی حرمت پر نثار

ہماری قومی سیرت

کے

کمزور پہلو

از: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا یہ مضمون تقسیم ہند سے قبل کا ہے، یہ کتابچہ کی شکل میں "ادارۂ تعلیمات اسلام" کی طرف سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ مضمون اپنی قدامت کے باوجود اس میں پیش کردہ خیالات کے اعتبار سے بالکل تازہ up to date ہے۔

مسلمانوں پر تنقید کرنا اور ان کے کمزور پہلوؤں کو نمایاں کرنا کسی مسلمان کے لئے قطعاً کوئی خوشگوار کام نہیں ہے اور اس کے لئے کوئی شخص آسانی سے تیار نہیں ہو سکتا، لیکن دنیا کے سب ضروری کام خوشگوار نہیں ہوتے۔ ایک ایسی جماعت کی کمزوریوں کو خاموشی سے دیکھتے رہنا جس سے نہ صرف اس کی اپنی قسمت بلکہ دنیا کی قسمت بھی وابستہ ہے اور جو انجیل کی زبان میں زمین کا نمک ہے جس کی نمکینی کے ضائع ہو جانے کے بعد پھر زمین کو کوئی چیز نمکین نہیں کر سکتی، ایک ایسا ناخوشگوار کام ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر ناگواری، ہر تلخی، ہر طرح کی روحانی اذیت اور ہر قسم کی ذہنی کوفت ہیچ ہے اور اس کے مقابلہ میں باہمی یا دوسروں کی یہ ناخوشگواری کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

مسلمانوں کی کسی قوم یا ملک کا سلطنت و اقتدار سے محروم ہو جانا، یا مسلمانوں کا عالمگیر سیاسی زوال بہت بڑا حادثہ ہے جس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، اس کے جو اخلاقی اور ذہنی نتائج ہوتے ہیں وہ بھی اب کچھ پوشیدہ نہیں رہے لیکن اس سے بدرجہا المناک حادثہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی ذہنیت یا نفسیت کسی ایسے سانچے میں ڈھلنے لگی جو صحیح اسلامی تعلیم و تربیت کا سانچہ نہیں ہے اور بعض انفرادی عیوب و نقائص، یا منکرِ خدا اور منکرِ آخرت قوموں کے صفات و خصائل، مسلمانوں کی سیرت کا جزو بننے لگیں اور قومی کیرکٹر کی صورت اختیار کرنے لگیں۔ تحریفِ دین کی اصطلاح تو پہلے سے موجود ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ علمی کوتاہیوں اور ذاتی انحراف سے بڑھ کر کوئی جماعت اصل دین، اس کی کتابوں اور اس کی تعلیمات میں ترمیم و تنسیخ اور رد و بدل شروع کرے۔ اس کے نتائج انحراف سے کہیں بڑھ کر خطرناک اور وسیع ہوتے ہیں، اور اس کا علاج اور اس صورتِ حال کی اصلاح تقریباً محال ہوتی ہے اس لئے کہ اس تحریف سے اس قوم کے ذہن میں حقائق بدل جاتے ہیں، گناہ عین صواب اور بعض اوقات کارِ ثواب بن جاتا ہے اور ان کو دین کی اصل و حقیقت سے ہٹ جانے یا دور پڑ جانے کا احساس ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہی عین دین معلوم ہوتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں مذہبی طور پر یہی صورت پیش آئی۔ میں اس تحریفِ دین کے مقابلہ میں اس ذہنی و اخلاقی تبدیلی کو جو ہندوستان کے مسلمانوں میں نظر آ رہی ہے تحریفِ [illegible] سے تعبیر کروں گا۔ مسلمانوں میں عملی کوتاہیاں تو ہمیشہ پائی گئیں اور مسلمانوں کی کسی جماعت کا ان سے بالکل پاک ہونا بہت مستبعد ہے۔ لیکن یہ انحراف خالص عملی ہی کہا جا سکتا ہے اور اسلامی ذہن و ضمیر ہمیشہ اس کے خلاف احتجاج کرتا رہا اور کبھی مسلمانوں نے اس پر فخر نہیں کیا لیکن

اب جو کچھ نظر آ رہا ہے اس کو انحراف کہنا مشکل ہے، وہ اس سے کچھ زیادہ وسیع اور عمیق اور اس سے مختلف شکل رکھتا ہے۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کے تمام سیاسی، تعلیمی اور اقتصادی مسائل سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ ہے۔

قومی کیرکٹر ہر قوم کی زندگی میں اس کی مادی دولتوں سے کہیں بڑھ کر بیش قیمت ہوتا ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کی اسلامی سیرت، بڑی سے بڑی اسلامی سلطنت اور بڑے سے بڑے قومی ادارہ اور زیادہ سے زیادہ قومی ترقی اور اقتصادی خوشحالی سے زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ کسی بڑی سے بڑی مادی کامیابی اور عظیم سے عظیم بدل پر اس کے نقصان یا زوال کو گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

اگر اس پر زوال آ گیا یا اس میں کچھ تبدیلی واقع ہو گئی تو بڑی سے بڑی مادی کامیابی اور فتح سے اس کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تبدیلی مختلف تاریخی، سیاسی اور تعلیمی و تہذیبی اسباب، بعض موثر اور اشتعال انگیز حالات و واقعات اور زیادہ تر قیادت کی کمزوری سے صدیوں میں پیش آتی ہے۔ لیکن جب بدقسمتی سے یہ تبدیلی واقع ہو جاتی ہے تو صدیوں تک اس کا اثر قائم رہتا ہے اور اس کے اخلاقی و اجتماعی نتائج اس قوم کے تمام افراد کو برداشت کرنے پڑتے ہیں خواہ انفرادی طور پر بعض افراد کتنے ہی نیک سیرت ہوں۔

اس موقع پر چند نمایاں کمزور پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے جو دینی و اخلاقی حیثیت سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور جن کو اصل اسلامی سیرت اور اخلاقی تعلیمات سے زیادہ بعد اور تعارض ہے۔

۱۔ اصول و صداقت پر مصالح و منافع کو ترجیح

ایک نہایت اہم اور گہری اور انقلاب انگیز تبدیلی جو مسلمانوں کی ذہنیت و نفسیات میں اس ۵۰ سال کے اندر اندر واقع ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ آخرت پر ایمان عملاً کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے، اور اس کے نتیجہ کے طور پر یا مستقلاً اصول اور صداقت کے مقابلہ میں منافع و مصالح، آجل کے مقابلہ میں عاجل کو ترجیح دینے کا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے مسلمان ایک با اصول، بلند اخلاق، بحیثیت جماعت کے بلند مقام سے گر کر ایک بے اصول، ناقابلِ اعتبار، ابن الوقت اور مصلحت پرست قوم کی ادنیٰ سطح پر آتے جا رہے ہیں جس کے سامنے کوئی اخلاقی معیار نہیں ہے بلکہ صرف منافع و مصالح اور اغراض و مقاصد ہیں۔ یہ تبدیلی اس وقت شروع ہوئی جب ہندوستان میں اور تقریباً تمام اسلامی ممالک میں (جو کسی طرح یورپ کے زیر اثر آئے) مسلمانوں کو مغربی تہذیب، مغربی فلسفۂ اخلاق اور مغربی معیاروں کے قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ مغربی اخلاق، فلسفہ، علوم اور سیاست کا ہر طالب علم اور اس زمانہ کا ہر واقف آدمی جانتا ہے کہ یورپ کا سارا نظامِ زندگی تمام تر مادہ پرستی اور مصلحت جوئی پر مبنی ہے۔ "افادیت" اور "مصلحت بینی" اس نظامِ زندگی کے ریشہ ریشہ میں سرایت کر چکی ہے۔ سارا یورپ اس وقت سے جب سے اس نے کلیسا کے اقتدار سے اپنے کو آزاد کیا، صرف ایک ہی عملی مذہب رکھتا ہے (جس کے خلاف کسی گوشہ میں بھی عملاً کوئی بغاوت نہیں) اور وہ مذہب مادہ پرستی ہے۔ مسلم ممالک میں اس نظام کے غلبہ کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ آخرت کی اہمیت کم ہوتے ہوتے بعض حلقوں میں (جہاں یہ نظام اپنی پوری روح کے ساتھ مستولی تھا) معدوم ہو گئی ہے۔ دنیاوی ترقی اور مادی فوائد و منافع منتہائے نظر بن گئے ہیں۔ اصول و اخلاقی معیار منافع و فوائد کے مقابلہ میں اپنی اہمیت بالکل کھو چکے ہیں۔ مسلمانوں میں اس دعوت کے علمبرداروں نے ترقی (یعنی دنیاوی ترقی) پر اتنا زور دیا، اور اس شد و مد اور بلند آہنگی سے مادی ترقی کی دعوت دی کہ بالارادہ یا بلا ارادہ آخرت اور امورِ آخرت کی اہمیت زیادہ کم ہو گئی بلکہ بعض وقت انہوں نے اس نظام اور ان افکار کی تضحیک و تنقیص کی جس میں دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی اہمیت زیادہ تسلیم کی گئی تھی اور مسلمانوں کو دنیا پرست اور آخرت سے غافل ہونے سے روکنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ان جملوں اور ان تقریروں اور تحریروں کا مذاق اڑایا گیا اور ان کی ہجو کی گئی جن میں دنیا کو متاعِ قلیل اور متاعِ غرور کہا گیا تھا، دنیا پرست، مادہ پرست اور منکرِ آخرت قوموں اور ملکوں (غالباً صحیح تر ایک قوم اور ملک) کو مسلمان نوجوانوں کے سامنے ایک بلند نمونہ اور معیارِ کامل کے طور پر پیش کیا گیا جو ہر تنقید سے بالاتر تھا۔ پھر جو نظامِ تعلیم قائم کیا گیا اس میں انکارِ آخرت کی روح بسی ہوئی تھی، اس کی اساس اخلاق کے مقابلہ میں ظاہری منافع کی ترجیح پر رکھی گئی تھی، اس میں شرافت اور اخلاق کے مقابلہ میں خواہشِ نفس اور لذت کا عنصر غالب تھا، وہ تمام تر ایسی قوم اور ایسی تہذیب کے ذہن کی پیداوار تھا جو سراپا منکرِ آخرت تھی۔ دراصل یہ کسی مجرد نظامِ تعلیم کی قبولیت کی دعوت نہ تھی اور نہ ایسا ممکن ہے بلکہ یہ ایک پوری تہذیب، تمدن و معاشرت اور اخلاق و فلسفۂ اجتماع کی دعوت تھی۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کو صاف صاف ہوا کے رخ پر چلنے اور دریا کے بہتے ہوئے دھارے پر کشتی چھوڑ دینے کی دعوت دی اور صاف صاف کہا کہ

"چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی"

اور

"زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز"

اس دعوت و تبلیغ میں مسلمانوں کی بہترین قابلیتیں صرف ہوئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی نظروں میں اصول و اخلاق کی اہمیت بتدریج گھٹتی چلی گئی اور بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس کے نزدیک اخلاق و مصالح میں کوئی تقابل نہ تھا اور ہر موقع پر مصالح کو اصول پر ترجیح حاصل تھی۔ وہ ہر وقت بڑے سے بڑے مذہبی اصول، اخروی حکم اور اخلاقی تعلیم کو ایک شخصی منفعت یا قومی مصلحت پر قربان کرنے کے

لئے تیار رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عام قسم کی محدود معاشی ترقی کے ساتھ ایک عام اخلاقی انحطاط اور بے اصولی پھیل گئی۔ بیسویں صدی کے اس نصف اول میں ہندوستان میں مسلمانوں کے کیرکٹر میں پہلے کے مقابلہ میں نمایاں اور محسوس انحطاط نظر آ رہا ہے، جو ہر سوچنے سمجھنے والے مسلمان کے لئے حد درجہ تشویشناک ہے۔ اب ایک اصول اور مذہبی اعتقاد کے مقابلہ میں ذاتی ترقی یا شخصی فوائد کی قربانی کی مثالیں کم سے کم تر نظر آتی ہیں اور وہ بھی زمانۂ گذشتہ کی یادگاریں ہیں جو برابر رو بزوال ہیں۔ اب تمام مسائلِ زندگی پر ایک تعلیم یافتہ مسلمان کا طریقِ فکر اور زاویۂ نگاہ خالص مادہ پرستانہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کام میں اس کے لئے کتنی مالی منفعت ہے یا اس کو کس قدر جاہ و اعزاز حاصل ہوگا، اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ وہ شرعاً اس کے لئے جائز اور اخلاقاً مستحسن ہے یا نہیں بلکہ اس کا اپنا ضمیر بھی اس سے مطمئن ہے یا نہیں۔ یہ سوالات مسلمانوں کے دماغوں سے ایک عرصہ سے نکلتے جا رہے ہیں یا ان کی اہمیت کم ہو گئی ہے اور ان کی بنا پر کسی مسلمان کو کسی عہدہ یا منفعت یا اعزاز کے قبول کرنے میں قلب و ضمیر کی رکاوٹ کم سے کم پیش آتی ہے خواہ وہ شریعت میں مطلقاً حرام اور اخلاقاً فاحش درجہ معیوب ہو اور اس کا ضمیر ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے مطمئن نہ ہو۔ بلکہ اب اس کو ایک قومی خدمت سمجھا جاتا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے اس کو دیکھا جاتا ہے، کیونکہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جو روپیہ کسی جائز یا ناجائز طریقہ پر کسی فرد کی جیب میں آتا ہے اور اس کے بچوں اور متعلقین کی خوشحالی کا سبب بنتا ہے وہ گویا قومی فنڈ میں جمع ہوتا ہے اس لئے کہ یہ سب مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کی خوشحالی یا چند افراد کی خوش حالی خواہ وہ کس قدر ذلت اور احکامِ مذہب کی مزید مخالفت کے بعد ہی ہو، قومی خوش حالی کے مرادف ہے۔

اس ذہنیت و سیرت اور اس عام اخلاقی انحطاط اور کیرکٹر کی کمزوری کا اثر مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر پڑ رہا ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا عیب نظر نہیں آتا، بلکہ اس پر بحث کی گنجائش بھی بہت کم رہ گئی ہے۔

اسی کا نتیجہ وہ عام بے اصولی، تناقض اور اخلاقی کمزوریاں ہیں جن کی مثالیں ہمیں ہر جگہ ملتی ہیں۔ ہمارے مسلمان اخبار و رسائل میں (الا ماشاء اللہ) ہر قسم کا خلافِ تہذیب اشتہار شائع کیا جا سکتا ہے، اگر اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔ ادبی رسائل میں ہر قسم کے مخربِ اخلاق، حیاسوز و عریاں مضامین، افسانے، اشعار شائع ہو سکتے ہیں، بے حیائی اور اخلاقی بے نظمی کی ہر تحریک کے لئے وہ آلہ بن سکتے ہیں، بدتر سے بدتر فواحش کی اشاعت ان کے ذریعہ سے کی جا سکتی ہے اگر ان کو اس سے اپنے رسالہ کی کامیابی اور مقبولیت کا ایک فیصدی بھی امکان نظر آئے تو ایسی صورت میں وہ اس کی ہرگز پرواہ نہ کریں گے کہ ان کی اس حرکت سے خلقِ خدا کی اخلاقی ابتری اور انحطاط کا ۹۹ فیصدی امکان ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان اخبارات و رسائل کے مالک و ایڈیٹر ذاتی طور پر شریف مسلمان ہوں اور وہ اصولاً ان چیزوں کو اچھا نہ سمجھتے ہوں لیکن اگر آپ اس مسئلہ پر ان سے گفتگو کریں گے تو وہ صاف کہہ دیں گے کہ تجارت و صحافت میں اصول، مذہب اور اخلاق کی پابندی نہیں کی جا سکتی۔

اخبارات کسی اصول اور صحیح مسلک کی ترجمانی اور صحیح خیالات و افکار کی اشاعت کے بجائے اپنے قارئین اور عوام کے خیالات و خواہشات کی ترجمانی کو اصولِ صحافت سمجھتے ہیں۔ وہ عوام کی ناراضی اور بددلی کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ان کی خوشی اور اپنے اخبارات کی مقبولیت و اشاعت کے لئے ہر قسم کی بے اصولی، ہر طرح کے تناقض اور ہر درجہ کے ابتذال کو گوارا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مذاقِ سلیم، فکرِ صحیح اور اخلاقِ قومی پر یہ اخبارات بڑی طاقت کے ساتھ اثر انداز ہیں اور مسلمانوں کے افکار و خیالات میں جو عام بے ربطی و تناقض، عام ذہنی انتشار اور اشتعال پذیری پائی جاتی ہے اس میں میرے نزدیک ان اخبارات کا بڑا حصہ ہے۔

مسلمان اہلِ علم اور اہلِ قلم کو آپ ہر کام پر لگا سکتے ہیں اگر اس کا خاطر خواہ معاوضہ آپ ان کو ادا کریں۔ ان سے خود ان کے خیالات و افکار کے خلاف سب کچھ کہلوا سکتے ہیں، لکھوا سکتے ہیں اور شائع کروا سکتے ہیں اگر اس کی قیمت ادا کر سکیں۔ بڑے بڑے سنجیدہ اور ذی علم اہلِ قلم و اخبار نویس اور پُرجوش اسلامی نظمیں لکھنے والے شعراء سے ایسے پروپیگنڈے کا کام لیا جا سکتا ہے جس سے وہ خود بھی متفق نہیں ہیں۔ اگر آپ ان سے اس بارہ میں استفسار کریں گے تو وہ آپ کو جواب دیں گے کہ "اس میں کون سا مذہبی یا قومی نقصان یا شرعی گناہ ہے؟ یہ تو ایک بزنس ہے۔"

ایک شخص ہم کو معاوضہ دیتا ہے اور ہم اس کے بدلے میں اس کے لئے ایک تقریر یا مضمون تیار کر دیتے ہیں۔ گویا ضمیر فروشی بھی ایک شریفانہ تجارت ہے اور تعاون علی الاثم والعدوان (گناہ اور زیادتی پر مدد کرنا) خود کوئی گناہ نہیں۔ حالانکہ یہ دماغی و ذہنی بیسوائی اس بیسوا عورت کے گناہ سے بدتر ہے جو اپنا جسم کرایہ پر چلاتی ہے۔

جب سے مسلمانوں پر مغربی طرز کی قومیت کا غلبہ ہوا ہے وہ ہر چیز کو قومی ترقی اور قومی مفاد کے نقطۂ نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور جن چیزوں کا ارتکاب وہ ذاتی سربلندی اور شخصی منفعت کے لئے کرتے تھے اب اس کو قومی مفاد کے لئے ضروری سمجھنے لگے ہیں۔ مثلاً اب ان کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ تمام محکموں اور شعبوں میں ان کا تناسب قائم رہے خواہ وہ آبکاری کا محکمہ ہو یا جاسوسی کا، سودی کاروبار کے نظام ہوں یا فی سبیل الشیطان لڑنے والے نظام۔ غضب یہ ہے کہ وہ کام بھی جس کی حرمت مسلمانوں کے لئے قرآن کی نصِ قطعی سے ثابت ہے اور جس پر قرآن کی یہ دو آیتیں شاہد ہیں:

"ان الذین توفّٰهم الملائكة ظالمی انفسهم قالوا فیم كنتم قالوا كنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تكن ارض الله واسعة فتهاجروا فیها فاولٰئك مأوٰهم جهنم وساءت مصیرا" (النساء)

"الذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل الله والذین كفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطٰن ان كید الشیطٰن كان ضعیفا" (النساء)

اس کو اسی قومی مفاد اور مسلمانوں کے تناسب اور ان کے قومی تفوق کو برقرار رکھنے کے لئے جائز قرار دیا گیا اور بعض مسلمانوں ہی کی کوشش سے اس میں غیر معمولی کامیابی ہوئی اور ہو رہی ہے۔

ان تمام مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً ہندوستانی مسلمانوں کے نزدیک اصول و صداقت پر مفاد و مصالح مقدم ہیں۔ اخلاقی معیار اور اخلاقی حقیقتیں ان کی نگاہ میں وقیع نہیں۔ اصل چیز وہ منافع اور فوائد ہیں جن کا حصول اپنی ذات، خاندان یا قوم کے لئے ضروری یا فائدہ مند سمجھا جاتا ہے۔ یہ ذہنی کیفیت اور سیرت ایک ایسی ملت کے لئے جو پیغمبروں کی تعلیمات اور اصول کی حامل و امین ہے اور اصول و اخلاق، سیرت و کردار میں تمام دنیا کے لئے نمونہ و شاہد ہے، [illegible] امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس [illegible] نامناسب اور غیر مطابق ہے اگرچہ ایک خالص قوم کے لئے بالکل مناسب اور عین مطابق ہے۔ اور اس کا مسلمانوں کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ ان کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟

یہ ذہنیت و سیرت ہمارے علم میں کم سے کم ہندوستان میں اس پچیس تیس برس کے عرصہ میں نمایاں ہوئی ہے اور اس کو بڑا فروغ اس مغربی قوم پرستی اور موجودہ سیاسی جوش اور وقتی جذبہ نے دیا ہے جو ان پچھلے برسوں میں مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے اصول و اخلاق پر بڑے بڑے مصالح و منافع کو ہمیشہ قربان کیا اور ایک اخلاقی اصول یا دینی حکم کی حفاظت کے لئے انہوں نے عظیم الشان سیاسی و معاشی فوائد کو ٹھکرا دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ کے معاملہ میں ٹھیک یہی طرزِ عمل اختیار کیا تھا جس کو ایک خالص قوم پرست کے نقطۂ نظر سے ایک بڑی سیاسی غلطی کہنا چاہئے۔ صرف ایک شرعی حکم (قصاص) اور ایک دینی اصول (مساوات) کے قائم رکھنے کی خاطر ان کو جبلہ جیسے با اثر والیٔ ریاست اور غسان جیسے طاقتور قبیلہ کی امداد سے دستبردار ہونا پڑا مگر انہوں نے اس کے لئے اصول میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جبلہ سے ہزار درجہ بڑھ کر طاقتور فرمانروا اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ غسان سے ہزار درجہ بڑی ریاستیں اسلام کے اثر میں آئیں اور شریعتِ اسلامی میں کوئی تحریف نہیں ہو سکی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے کسی سیاسی مصلحت کی خاطر ادنیٰ درجہ کی بھی بے اصولی اور اخلاقی معیار سے انحراف قبول نہیں کیا اور اس کے لئے وہ تمام مشکلات قبول کیں جو ان کو اپنی خلافت میں پیش آئیں مگر نظامِ خلافت میں انہوں نے کوئی تحریف نہیں ہونے دی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوئی سیاسی مصلحت اور قومی مفاد ایک ایسے نظامِ حکومت سے تعاون کرنے پر آمادہ نہ کر سکا جو ان کے نزدیک غلط اور ان کے اعتقاد و اصول کے خلاف تھا۔

ابھی نصف صدی پہلے جب مغربی تہذیب اور مغربی افکار ہندوستان میں مقبول نہیں ہوئے تھے، ہندوستانی مسلمانوں کا کیرکٹر اتنا مضبوط تھا کہ ادنیٰ قسم کے زمیندار [illegible] کے علاوہ متوسط درجہ

کے با اصول اور وضعدار شخص خواہ بھی جھوٹ بولنا، اپنے ضمیر و اعتقاد کے خلاف کوئی کام کرنا یا کچھ کہنا کفر سے کم نہیں سمجھتے تھے اور مرجانے کو اس پر ترجیح دیتے تھے۔

سنہ ۵۷ء کے ہنگامہ میں بدایوں کے ایک عالم مولوی رضی اللہ صاحب شریک ہوئے تھے۔ ہنگامہ فرو ہونے پر وہ گرفتار ہوکر مسٹر کارمیکل کلکٹر کے سامنے پیش ہوئے جنہوں نے مولوی صاحب سے عربی پڑھی تھی، جب کلکٹر صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے صاف الفاظ میں شرکت ہنگامہ کا اقبال کیا، کلکٹر صاحب کو چونکہ اپنے استاد سے ہمدردی تھی اس لئے انہوں نے مقدمہ ملتوی کرکے مولوی صاحب کو کہلا بھیجا کہ وہ جرم سے انکار کردیں تو چھوڑ دیے جائیں گے مگر دوسرے روز کی پیشی میں پھر مولوی صاحب نے اقبال جرم کیا اس پر کلکٹر صاحب کو مجبوراً سزائے موت کا حکم دینا پڑا۔ پھر جب کہ اس حکم کی تعمیل میں بندوق سے گولی مارنے کا وقت آیا تو کلکٹر صاحب اپنے جذبات کو ضبط نہ کرسکے اور مولوی صاحب سے رو کر کہا کہ اب بھی اگر آپ شرکت ہنگامہ سے انکار کردیں تو میں آپ کو موت سے بچالوں گا، اس کا جواب مولوی صاحب نے بڑی ترشروئی سے یہ دیا کہ میں تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور اپنی عاقبت خراب کرلوں اور یہ کہکر خوشی خوشی جان دے دی۔

(مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۱۰)

مولانا محبوب علی صاحب دہلوی نے ہندوستان کی مشہور تحریک جہاد (حضرت سید احمد شہیدؒ و مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک) میں کچھ اختلاف کیا، بعد میں انگریزوں نے تو گاؤں صلہ میں دینے چاہے گو انہوں نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ میرا اجتہاد تھا، میں نے کسی مصلحت سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

سیکڑوں ہزاروں میں سے دو تین مثالیں شریف خاندانوں اور شرفا کی بستیوں میں جاکر پوچھیے تو اس قسم کی بہت سی مثالیں آپ سنیں گے۔

سیرت کی صلابت، اخلاق کی استقامت اور اصول کی پابندی کی ان مثالوں کا مقابلہ اس زمانہ کے بے اصولوں اور اخلاقی کمزوریوں، ضمیر فروشیوں اور مسلک و خیالات کی نیرنگیوں سے کیجیے تو آپ کو اس عام قومی انحطاط اور اخلاقی زوال کا اندازہ ہوگا جو مسلمان قوم میں نظر آرہا ہے اور روز بروز سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے، مسلمانوں کی تنزل کا ایک پہلو ہے جس کو دیکھ کر ایک حساس مسلمان کا دل خون ہوجاتا ہے اور وہ اس تلخ نتائج پر مجبور ہوجاتا ہے جو اس کے لئے اور پڑھنے والوں کے لئے کوئی خوشگوار چیز نہیں۔ اخلاق و سیرت اس امت کے نظام جسم

میں قلب کا درجہ رکھتے ہیں، لوگ تنومند و فربہ جسم کو دیکھ کر اس جسم کی صحت و طاقت کا حکم لگا دیتے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ قلب کس قدر کمزور اور ماؤف ہے اور کس طرح بتدریج اسکی حرکت بند ہورہی ہے۔ مسلمانوں کی ترقی کا اندازہ مردم شماری کے اعداد، ان کے قومی جوش و ظاہر تنظیم اور سرکاری عہدوں کے تناسب سے لگانا بالکل غلط ہے۔ ایک با اصول، دنیا کے لئے ایک پیغام رکھنے والی، اور اخلاق و سیرت میں دنیا کی تمام قوموں کے لئے معیار بننے والی امت کی پیمائش کا ہرگز یہ صحیح پیمانہ نہیں۔ ضرورت ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ اخلاق و اوصاف جو زندگی کے صحیح عناصر ہیں اور جن سے اس امت کا تشخص و امتیاز ہے وہ رو بانحطاط ہیں یا رو بہ ترقی اور اس کا اندازہ سرکاری کاغذات سے نہیں ہوسکتا، بلکہ مسلمانوں کی عام زندگی اور انکے قول و افعال سے ہوسکتا ہے۔ بقول اکبر مرحوم ؎

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے

۲۔ مستقل عالمگیر حریف سے غفلت اور بے حسّی۔

قدیم ترین زمانہ سے دنیا میں دو مقابل دعوتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک پیروی نفس اور انسان کی مکمل آزادی اور غیر ذمہ داری کی دعوت (اگرچہ اس میں صد ہا قسم کی خامیاں شامل ہیں) دوسرے انسان کی عبدیت، اسکی خدا کے سامنے ذمہ داری و جوابدہی اور وحی و تعلیمات پیغمبر کی پیروی کی دعوت۔ پہلی دعوت کا نام اسلام کی وسیع اصطلاح میں جاہلیت ہے، اور دوسری دعوت خود اسلام کی ہے۔ ان دونوں دعوتوں کی دنیا کی مختلف جماعتیں اور قومیں اپنے اپنے وقت میں علمبردار رہیں۔ ساڑھے تیرہ سو برس سے دوسری دعوت (اسلام) کی امانت قیامت تک کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کے نام لکھدی گئی، اور پہلی دعوت کی قیادت وقتاً فوقتاً دنیا کی مختلف جاہلی قومیں اور تہذیبیں کرتی رہیں، یہاں تک تقریباً دو سو برس سے تقدیر الٰہی اس کی قیادت و امامت کا فیصلہ یورپ کی مسیحی قوموں کے حق میں کیا۔ اس وقت مسیحی (لیکن دراصل مادی) یورپ نے جاہلیت کی عالمگیر تحریک اور ایسی طاقت اور ایسے اسلحے کے ساتھ اس کی قیادت کی کہ اس سے صدیوں پہلے ہمارے علم میں کسی قوم نے نہیں کی تھی، طبیعی طور پر زندگی کے ہر شعبہ اور متمدن دنیا کے تقریباً ہر میدان میں ان دونوں مقابل دعوتوں اور قوموں کا مقابلہ

اور علمبرداروں کا تصادم پیش آیا لیکن مختلف قسم کی ذہنی اور سیاسی اسباب کی بنا پر جن کی وضاحت بہت تفصیل طلب ہے، دوسری دعوت (اسلام) کے نمائندوں نے محض اپنی کمزوریوں کی بنا پر یورپ کے مقابلہ میں شکست کھائی۔ ان کے اعلیٰ درجہ کے سرسبز اور اہم ممالک اُن کے ہاتھوں سے نکل کر یورپین قوموں کے قبضہ میں چلے گئے، ان کا عالمگیر سیاسی اقتدار ختم ہوگیا، سمندروں اور خشکی پر سے اُن کا تفوق اٹھ گیا، ان کی بین الاقوامی ساکھ جاتی رہی اور اُن کو تقریباً دنیا کے ہر حصہ میں اور خود اپنے ممالک میں بدترین قسم کی غلامی اور قومی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے دماغ بھی مفتوح اور غلام ہونے لگے، مغربی تہذیب نے اسلامی تہذیب پر حملہ کیا، مسلمانوں کے قومی اوصاف اور اخلاقی محاسن جو ان کی سلطنتوں اور شاداب ملکوں سے زیادہ بیش قیمت تھے ایک ایک کرکے مٹانے شروع کئے اور اُن کی جگہ بدترین انسانی عیوب اور اخلاقی کمزوریاں جو بُت پرست یونان و روم اور تاریک یورپ اور ملحد نشاۃ ثانیہ سے اس کے حصہ میں آئی تھیں اُن پر مسلط کردیں۔ پھر انہوں نے ان مفتوحوں کے دین و ایمان پر حملے شروع کئے، ان کی دینی تعلیمات اور ان کے اصول و احکام شریعت کا استہزا کیا، ان کو بسا اوقات تثلیث پرست اور بعض اوقات ملحد و بے دین بنانے کی کوشش کی اور ان میں خود بڑی تعداد میں ایک ایسی بااثر جماعت پیدا کردی جو ان کے دین و تہذیب سے باغی تھی، اور جو اندر اندر ان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش میں تھی۔ غرض فاتح نے مفتوح کو ہر طرح سے غیر مسلح، غیر منظم اور ناتواں کردیا اور اس کے ہر سرمایہ اور ہر ملکیت کو تاوان جنگ یا مال غنیمت میں وصول کرنے کی کوشش کی۔ فاتح نے اپنی ذہانت اور دور بینی سے اس حقیقت کا پورے طور پر ادراک کیا کہ اس زمین کے اوپر مسلمانوں سے بڑھ کر اس کا کوئی حریف نہیں، اس لئے یا تو اس نے اس حریف کا سر کچلنے کی کوشش کی اور جہاں اس سے یہ نہ ہوسکا وہاں اس نے اس حریف کو اپنا مستقل حلیف اور بدرجہ مجبوری بے ضرر خادم بنانے کی کوشش کی۔

یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اس مکمل شکست، اس مغلوبیت و ذلت اور اس نقصان عظیم کا جو ان کو پہونچا طبعی و نفسیاتی اثر کیا ہونا چاہئے تھا؟ ہر صحیح الفطرت انسان کہے گا کہ مسلمانوں کے دل میں یورپ کی قوموں کی طرف سے سخت عناد

اور جذبۂ انتقام پیدا ہونا چاہئے تھا اور ان کو بھی ان قوموں کو اپنا مستقل حریف حقیقی مد مقابل اور عالمگیر دشمن سمجھنا چاہئے تھا، اور اس کی کوشش کرنی چاہئے تھی کہ وہ مقابل دعوت کی عالمگیر نمائندگی کی طاقت سے محروم ہو جائے، اس کا اقتدار اس حد تک ختم ہو جائے کہ اس کی تحریک و دعوت میں کوئی کشش اور کمزور انسانوں کے لئے کوئی کشمکش باقی نہ رہے اور دنیا میں دو دعوتیں برابر کی باقی نہ رہیں بلکہ صرف ایک دعوت رہے اور وہ دعوت الی اللہ ہے۔

"حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ"

(یہاں تک کہ فتنہ (کفار کا غلبہ) باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کا ہو جائے)

ان کی دعا یہ ہونی چاہیے تھی:۔

"ربنا انک اٰتیت فرعون وملاہ زینۃ واموالاً فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم۔"

(اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو آرایش اور دولتیں بخش رکھی ہیں، اے ہمارے پروردگار! (اس کا نتیجہ یہ ہے) کہ وہ تیرے راستہ سے لوگوں کو بھٹکائیں اے ہمارے پروردگار ان کی دولتوں کو نیست و نابود کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

ان کو دنیا کے ہر حصہ میں یورپین تہذیب اور یورپین طاقت کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے تھا کہ وہ دنیا میں دعوت جاہلیت کی علمبردار ہے اور اس کی قوت کی وجہ سے دعوت الٰہی کو فروغ نہیں ہوتا۔ ان کی نگاہ میں دنیا کا سب سے اہم مسئلہ یہی عالمگیر مسئلہ ہونا چاہیے تھا اور ہر مسئلہ اسی مرکزی مسئلہ کا جز ہونا چاہیے تھا۔ ان کو ہر ملک میں اپنے کو دعوت اسلام کا عالمگیر نمائندہ سمجھنا چاہیے تھا، اور ہر ملکی، قومی، سیاسی مسئلہ پر اسی نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیے تھا اور وہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے تھا جو اس عالمگیر دعوت کے نمائندوں کے شایان شان ہے۔ ان کو کوئی ایسا موقف اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا جس سے اس عالمگیر حریف اور اس جاہلی تحریک و دعوت کو کسی قسم کی تقویت و امداد حاصل ہو، خواہ مقامی و ملکی مسائل اور وطنی و قومی مصالح کا اقتضا کچھ

ہو۔ ان کو کوئی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا جس سے اس نظام کی طرف ان کا میلان اور اس کے علمبرداروں کے ساتھ اُن کا اتحاد و محبت ظاہر ہو۔

"ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون"

(اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تم کو بھی آگ لگ جائے گی اور اللہ کے مقابلہ میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور کسی طرف سے تمہیں مدد نہ مل سکے گی)

لیکن کس قدر حیرت و تأسف کا مقام ہے اور وہ تأسف و تحیر جو بقول حضرت علیؓ قلب کو مردہ، دماغ کو معطل اور غموں اور فکروں کو بڑھا دیتا ہے) کہ یہ عظیم الشان حقیقت مسلمانوں کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوگئی ہے۔ یہ مسئلہ اپنی اس مرکزیت اور عمومیت کے ساتھ ان کے ذہن سے صاف نکل گیا ہے۔ اپنی اور اپنے تاریخی اور مستقل عالمگیر حریف کی صحیح پوزیشن ان کی نظر سے بالکل مخفی ہے دو سو برس کی خونچکاں تاریخ جو فتح و شکست اور واقعات و حوادث کا مرقع ہے ان کے حافظہ سے بالکل محو ہوگئی ہے وہ اس حقیقت واقعی کو بالکل بھول گئے ہیں کہ وہ اور مغربی قومیں دو مقابل دعوتوں، دو متضاد نظام حیات، اور دو متضاد تہذیبوں کی علمبردار ہیں، اور اس طرح ایک ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ جس قدر ایک نیچا ہوگا دوسرا اونچا ہوگا۔ ان میں سے ہر دعوت کے علمبرداروں کا وجود، اُن کا فروغ اور ان کی طاقت دوسری دعوت کے علمبرداروں کے لئے ایک مستقل مزاحمت، ایک مسلسل خطرہ اور ایک سر کشمکش ہے۔ اس امر واقعی کا اہل مغرب کو پورا شعور ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اس کا احساس نہیں۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے کس صراحت اور بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

"یا ایہا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق یخرجون الرسول وایاکم ان تومنوا باللہ ربکم ان کنتم خرجتم جہاداً فی سبیلی وابتغاء مرضاتی تسرون الیہم بالمودۃ وانا اعلم بما اخفیتم وما اعلنتم ومن یفعلہ منکم فقد ضل سواء السبیل ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیہم والسنتہم بالسوء وودوا لو تکفرون"

(ممتحنہ۔ ۱)

(اے ایمان لانے والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو اور دوستی کا اظہار کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے اس کے وہ منکر ہیں اور رسولؐ کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہو، جلا وطن کرتے ہیں، اگر تم میرے راستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلے ہو تو ان سے تمہیں دوستی نہ رکھنی چاہیے۔ تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھے ان سب چیزوں کا اچھی طرح علم ہے جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو وہ کھل کر تمہارے دشمن ہو جائیں اور تمہاری طرف بُرائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں۔ اور اس بات کے خواہشمند ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔)

اس موقع پر ایک مسلمان کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے اور اس کے ایمان اور غیرت دینی کا تقاضا کیا ہے؟ اس کے لئے حضرت ابراہیم اور انکے متبعین کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ ایک ہی آیت کے بعد کہا گیا:۔

"قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ اذ قالوا لقومہم انا برآؤ منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتی تؤمنوا باللہ وحدہ"

(ممتحنہ۔ ۱)

(تمہارے لئے ابراہیم اور جو لوگ انکے ساتھ تھے ان میں عمدہ نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہدیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔)

کتنی عجیب بات ہے کہ اہل کفر کو تو اس فرق و اختلاف کا احساس ہو اور اپنے دین و مسلک کے لئے حمیت و غیرت زیادہ ہو اور وہ اپنے مخالفین سے کبھی اتحاد و موالات کے لئے تیار نہ ہوں، مگر اہل ایمان ذرا سی مصلحت سے ان کے ساتھ موالات کرنے لگیں۔ اس فرق کو بھی قرآن شریف نے بیان کیا ہے:۔

"ہا انتم اولاء تحبونہم ولا یحبونکم" (آل عمران)

(ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو مگر وہ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے)

"ولن ترضی عنک الیہود ولا النصاری حتی تتبع ملتہم" (البقرہ)

(تم سے یہودی اور عیسائی اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتے جب تک تم ان کے مذہب کے بالکل پیرو نہ ہو جاؤ۔)

اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ یہ سبق لیکن اجمالی طور پر مسلمانوں کے دلوں میں اب سے کچھ مدت پہلے تک بے دین و لا مذہب یورپ اور اس کی جسمانی تہذیب و نظام کے لئے نفرت موجود تھی۔

"کافر فرنگی" نفرت و حقارت کے لئے ضرب المثل تھا لیکن ہم کو اس حقیقت کا برملا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ اس ڈیڑھ سو برس کے عرصہ میں مغربی تعلیم و تہذیب نے بتدریج اس نفرت کو کم کرنا شروع کیا یہاں تک کہ نفرت کے بجائے رغبت پیدا کردی۔ اس تبدیلی کی پوری ایک تاریخ ہے۔ پہلے اس نے مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کیا، مغرب کا بالعموم تفوق ذہن پر قائم کیا، اس کا پورا نظام نہایت خوشنما اور آراستہ کرکے دکھایا، پھر اس کی محبت کو قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اس طرح اتار دیا کہ تعلیم یافتہ مسلمان کے لئے اس سے انحراف مشکل ہوگیا۔ یہاں تک کہ سیاسی طور پر اگر اس کو اس سے اختلاف بھی ہو تو ذہنی اور تہذیبی حیثیت سے اس کا رشتہ اس سے قائم رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ مسلمان کی ذہنیت اتنی تبدیل ہوگئی کہ اس کو دنیا میں اگر اپنا کوئی حلیف اور سرپرست نظر آتا ہے تو وہ صرف یورپین طاقت۔ اس نے اس حقیقت سے آنکھیں بند کرلیں جو روز روشن کی طرح ہے کہ اس کا اصلی اور عالمگیر حریف جس سے پہلی صدی ہجری سے اس چودھویں صدی ہجری تک مسلسل معرکہ آرائی رہی اور جو دنیا کی قیادت اور اس کی تعمیر نو میں اس کا اصل رقیب اور مزاحم ہے وہ یورپ ہے۔ اس نے اس نکتہ کو بالکل نہیں سمجھا کہ جب تک یورپ کا سیاسی اقتدار دنیا میں قائم ہے اس وقت تک دین کی دعوت پورے طور پر سرسبز نہیں ہو سکتی اور اس میں وہ طاقت اور جذب و کشش نہیں پیدا ہو سکتی جس کی وہ مستحق ہے۔ جب تک یورپ تنہا دنیا کے لئے مقتدا اور پیشوا ہے اس وقت تک انسانی محاسن و فضائل اور اسلام کے معیار اخلاق کو فروغ نہیں ہو سکتا اس لئے اسلام کی اور بالتبع انسانیت کی مین مصلحت یہ ہے کہ یورپ کو منصب قیادت سے معزول کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور چونکہ مسلمان ہی دنیا کے اخلاق، اور اصلاح و فضا کے ذمہ دار ہیں اور وہی دنیا کے محتسب ہیں اس لئے یورپ کو اس منصب سے ہٹانا تنہا ان ہی کا فریضہ ہے اور یہ مسلمانوں ہی کا منصب ہے کہ یورپ کو رہنمائی و سرداری کے مقام سے ہٹاکر دنیا کی زمام قیادت خود سنبھالیں۔

لیکن افسوس ہے کہ مسلمان مسائل پر اس نقطۂ نظر سے غور بھی نہیں کرتے اور ان کو اپنی یہ حیثیت یاد بھی نہیں رہی یورپ کو پورے طور پر بے نقاب ہو جانے کے بعد بھی پہچانتے نہیں سکے۔ ان کی نظر اب بھی محدود اور کوتاہ ہے وہ قومی مصلحتوں اور محدود جغرافی مسائل میں اس عالمگیر ضرورت کو

بھولے ہوئے ہیں اور وہ بھی برسر فرصت مانگ رہے ہیں جو تاریخ میں صدیوں میں پیش آتی ہیں۔

۳۔ بزدلی اور بے عملی

مسلمانوں پر اس وقت ایک نظر ڈالنے سے ایک عام ذہنی و نفسی کیفیت نظر آتی ہے جسے ٹھیک طور پر الفاظ میں ادا کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن شاید قریب تر الفاظ یہ ہوں کہ،

"کچھ کئے بغیر سب کچھ پا جانے کی خواہش" گویا استعارہ کی زبان میں مسلمان بیٹھے بیٹھے شطرنج کی ایسی چال چلنا چاہتے ہیں کہ دفعۃً بازی مارلیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان سیاست میں دیر میں آئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے سیاست کا مفہوم محض انجمن آرائی، تجاویز کی منظوری، اظہار رائے اور زیادہ سے زیادہ اظہار ناراضگی سمجھا۔ جس سیاست کی بنیاد ۵۰ سے پچاس، چالیس سال پہلے پڑی تھی اس کا مزاج اور خمیر تمام تر یہی تھا، بلکہ درحقیقت یورپ میں بھی اس وقت (جب انتخابی اور جمہوری زندگی کا آغاز تھا) سیاست کا مفہوم اس سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر اس کے بعد سے تمام دنیا کے حالات بہت سرعت کے ساتھ بدل گئے۔ اب سیاست نام جد و جہد اور ایثار و قربانی کا ہے۔ مگر مسلمانوں میں تبدیلی بہت دیر میں واقع ہوتی ہے، اور عجیب بات ہے کہ اُن کا سب سے زیادہ بولنے والا طبقہ سب سے کم بولنے والا ہے اور سب سے زیادہ متحرک اور ترقی پسند جماعت سب سے زیادہ جامد اور ساکن واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ تحریک خلافت کے چند سالوں کو مستثنیٰ کرکے مسلمانوں کی پوری سیاسی تاریخ محض جلسوں، تقریروں، تجاویز، بیانات، وفود اور بادر یابیوں (میمورنڈم) کی روداد ہے۔ انہوں نے مغربی سیاست کا جو سبق بار بار رٹا ہے وہ صرف یہ کہ سیاست نام ہے دماغی ذہانت، قانونی قابلیت، سیاسی حاضر دماغی اور حسن تقریر کا۔ لیکن وہ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ جلسی (پارلیمنٹری) سیاست کے لئے تو مفید ہے، سیاست اور انقلابی جد و جہد اور کبھی کبھی اس کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔

اس تربیت کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں اتنی ذہنی پستی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ شہادت و جنگ کی محبت پر خوشی پر اتر آئے ہیں۔ توقع و دعا اور گردش زمانہ کا انتظار ان کا شیوہ ہوگیا ہے۔ اخلاقی طاقت اتنی کمزور ہوگئی ہے کہ وہ دوسروں کی جرأت و جانبازی اور ایثار و قربانی کا اعتراف بھی نہیں کرسکتے اور اس کے ماننے کے لئے بھی تیار نہیں کہ کوئی قوم کسی صحیح یا غلط مقصد کے لئے کوئی قربانی کر رہی ہے۔

پہ جائیں کہ ان میں اس سے اپنے صحیح اور بلند مقصد کے لئے جد وجہد اور قربانی کا جذبہ پیدا ہو۔

یہ صورت حال بھی تشویش کا باعث ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں پر اپنی کمزوری اور ناتوانی کا احساس اتنا طاری کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے کو کسی جد وجہد اور قربانی کا اہل نہیں سمجھتے اور کسی قسم کے خطرات کے لئے قطعاً تیار نہیں۔ انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ مسلمان خربوزہ کی طرح ہیں جس کے لئے ہر حال میں خطرہ ہی خطرہ ہے، اس لئے نہ وہ چھری پر گرنے کے لئے تیار ہیں اور نہ چھری کو اپنے اوپر گرنے دینا چاہتے ہیں، پھر ان کو دوسری طاقت پر اعتماد کرنے کا ایسا عادی کر دیا گیا ہے کہ وہ خدا پر بھروسہ کرنے اور اعتماد علی النفس کی دولت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال وقتی اور عارضی نہیں ہے اندیشہ ہے کہ کہیں ان حالات میں مسلمانوں کی مجاہدانہ روح اور ان کا جذبہ سرفروشی ایک مدت طویل کے لئے سرد نہ ہو جائے اور وہ توکل علی اللہ اور پھر اعتماد علی النفس کے جوہر سے محروم نہ ہو جائیں۔ یہ مسلمانوں کا اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس کی تلافی آسانی سے ممکن نہ ہوگی۔

مسلمانوں کی یہ اپنے آپ سے مایوسی اور علی الغیر، اپنی کمزوری کا ضرورت سے زیادہ احساس اور دوسروں کی طاقت کا ضرورت سے زیادہ اندازہ، اقلیت واکثریت کے مسائل سے شب و روز کا یہ انہماک فرنگی تعلیم و تہذیب اور مغربی سیاست کا نتیجہ ہے جو مسلمانوں کو ایک جامد قوم دیکھنے کی عادی ہے اور جو اعداد کے طلسم سے کسی طرح نکل نہیں سکتی اور جو ایمان و توکل کی دولت سے محروم ہے۔ اس زہر کا تریاق قرآن وحدیث کی اشاعت ہے۔ جب تک مسلمانوں کی سیاست قرآن وحدیث پر مبنی تھی اور اس کے دماغ و دل اور روح پر ان کا اثر تھا، اس میں اتنا عزم و توکل اور خدا کے وعدے پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس سے خارق عادت واقعات صادر ہوتے تھے۔ محمد بن قاسم فاتح سندھ اور طارق بن زیاد فاتح اندلس کے واقعات کے یاد دلانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کی آیت:۔

" لاتهنوا ولا تحزنوا وانتم الأعلون ان كنتم مؤمنين "

(دل شکستہ نہ ہو اور غمگین نہ ہو، تم ہی بالا و برتر ہو اگر تم مومن ہو۔)

اور:۔

" كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين "

(کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔)

جن لوگوں کے سامنے رہتی تھی اور ان کا اس پر ایمان تھا انہوں نے مٹھی بھر جماعتوں سے ملکوں کو فتح کر لیا اور وہاں کی تہذیب، زبان اور معاشرت کو بالکل بدل دیا۔ آج بھی صرف قرآن وحدیث کی اشاعت ہی مسلمانوں میں اعتماد اور قلب کی طاقت پیدا کر سکتی ہے۔

صحابۂ کرام اور مجاہدین اسلام کے حالات و واقعات کی اشاعت بھی اس نقطۂ نظر سے بہت ضروری ہے خصوصاً ماضی قریب کے عالی ہمت مجاہدین کے سوانح و حالات مثلاً حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، شیخ سنوسیؒ، محمد بن عبد الکریم ریفیؒ جنہوں نے قریب ترین زمانے میں نہایت قلیل طاقت اور رفقاء کی بہت تھوڑی تعداد کے ساتھ بڑی سلطنتوں کا مقابلہ کیا اور ایمان کی طاقت اور عزم و توکل کا اعلیٰ مظاہرہ کیا۔ جو لوگ سیاسی تحریکوں سے ہٹ کر مسلمانوں میں تعمیری اور تعلیمی کام کر رہے ہیں ان کو اس ضرورت کی طرف جلد متوجہ ہونا چاہئے کہ یہ مسلمانوں کی کسی سیاسی خدمت سے کم اہم کام نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کی سیاست کی صحیح بنیاد ہے اور اسی پر ان کے مستقبل کی تعمیر ہوگی۔

۴۔ شخصیت پرستی اور غیر مشروط اطاعت

مسلمانوں کا ایک بہت بڑا جوہر جس نے کسی غلط چیز کو عام طور پر مسلمانوں پر مسلط ہونے سے روکا اور قیادت کی کسی کمزوری سے یا شخصی رائے اور فیصلہ کی غلطی کی وجہ سے ان کو ہلاک ہونے سے محفوظ رکھا وہ ان کی آزادیٔ رائے اور آزادیٔ ضمیر کا جوہر یا غلط چیز سے انکار کر دینے کی طاقت اور شریعت کا یہ زریں اصول تھا کہ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت صحیح نہیں ہے) اسی کا مظاہرہ تھا کہ حضرت عمرؓ کو بر سر منبر ایک بڑھیا اور عرب کا ایک بدو ٹوک دیتا تھا اور وہ اس کے سامنے سر جھکا دیتے تھے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی شخصی سلطنت کے بڑے سے بڑے دور استبداد و جبر میں بھی مسلمانوں کی آزادیٔ رائے کبھی سلب نہیں ہوئی اور بادشاہوں کے غلط فیصلوں اور خلفاء کی غلطیوں کے خلاف علماء وقت نے ہمیشہ آواز بلند کی جس سے دین و شریعت اور مسلمانوں کے عام مزاج و طبائع میں تحریف نہیں ہو سکی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیب، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل کے واقعات تاریخ اسلام میں روشن رہیں گے۔

اسلام میں مطلق وغیر مشروط اطاعت صرف اللہ، رسولؐ کی ہے، باقی کسی انسان کی اطاعت غیر محدود اور غیر مشروط نہیں ہے بلکہ اسکی اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اللہ ورسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ کسی خلاف شریعت فیصلہ اور کسی ایسے حکم کی تعمیل میں جس سے دین اور امت کو یقینی طور پر نقصان پہونچتا ہو اطاعت جائز نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجاہدین کی ایک جماعت پر ایک صحابی کو سردار بنایا اور لوگوں کو اس کی اطاعت و تعمیل حکم کی تاکید کی۔ راستہ میں سردار کو اپنے ساتھیوں سے کچھ شکایت پیدا ہو گئی۔ اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو، پھر اس میں آگ لگائی اور الاؤ تیار کیا، پھر لوگوں سے کہا کہ کیا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت و تعمیل حکم کی تاکید نہیں کی تھی؟ لوگوں نے اقرار کیا۔ اس نے کہا تو پھر میرا حکم ہے کہ اس آگ میں کود پڑو۔ لوگوں نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ خودکشی حرام ہے اور فعل حرام میں آپ کی اطاعت ہمارے لئے ضروری نہیں۔ اس نے آنحضرتؐ سے شکایت کی۔ آپ نے لوگوں کے فعل کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ اسی میں رہتے۔

لیکن اب ادھر چند سالوں سے مسلمانوں میں سیاسی شخصیت پرستی اس درجہ کو پہونچ گئی ہے کہ وہ اپنے قائدوں کے احکام اور فیصلوں کی کسی قسم کی تنقید کے لئے تیار نہیں اور ادھر غلط اور صحیح حکم کی تعمیل اور اس کی توجیہ و تاویل اپنا اسلامی فریضہ سمجھنے لگے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قائد کے احکام کی تعمیل بھی ضروری ہے اور مسلمانوں میں رائے اور اختلاف کی آزادی بعض دور میں بے اعتدالی اور فوضویت (انارکی) یا خارجیت کی حد تک پہنچ گئی تھی لیکن جب قائد مسائل اسلامیہ میں اعلیٰ بصیرت اور رسوخ نہ رکھتا ہو اور سیاست اسلامی میں تقویٰ و تدین کے ساتھ تفقہ و اجتہاد کی قابلیت اس کو حاصل نہ ہو اس وقت اپنے کو کالمیت فی ید الغسّال (مردہ بدست زندہ) کے طور پر اس کے حوالہ کر دینا صحیح نہیں ہے اور بڑے عظیم دینی و سیاسی خطرات کا باعث ہے۔

یہ چند کمزور پہلو ہیں جو ہم کو اس وقت کم سے کم ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی سیرت میں نمایاں نظر آتے ہیں اور جو سیاسی جماعتوں اور مسلکوں کی حمایت یا مخالفت کے جذبہ سے بالکل علیحدہ ہو کر پیش کئے گئے ہیں۔ اس کا محرک اسلامی احساس اور درد دل کے سوا کچھ نہیں، اسلامی جرائد و رسائل سے گذارش ہے کہ وہ اس مضمون کو بجنسہٖ یا اختصار کے ساتھ شائع کر کے ایک بڑی اسلامی خدمت انجام دیں یا ان مقاصد اور معروضات کو (خواہ کچھ تنقید و اختلاف کے ساتھ) اپنے طور پر اپنے الفاظ و مضامین میں پیش کریں۔ ●●

خوش خبری

اردو زبان میں ہومیوپیتھک علاج پر اپنے طرز کی واحد کتاب

آئینۂ ہومیوپیتھی

مصنفہ عالیجناب ڈاکٹر مرزا محمد امین صاحب شائع ہو گئی جس میں سر سے لیکر پاؤں تک تمام امراض کی تشخیص، اسباب، پرہیز اور مکمل علاج دیا گیا ہے۔ اس قدر عام فہم اور آسان کتاب اس موضوع پر آج تک شائع نہیں ہوئی۔ کتاب ہذا کو پڑھ کر ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اپنا اور اپنے خاندان والوں کا علاج نہایت آسانی سے کر سکتا ہے ہومیوپیتھک ڈاکٹروں کے لئے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ ہے۔ آج ہی خریدیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

صفحات تقریباً ۵۰۰ — قیمت فی جلد مجلد مع ڈسٹ کور بیس روپیہ Rs. 20/-
محصول ڈاک علیحدہ

ملنے کا پتہ:
خورشید بکڈپو، ایلیمی ہاؤس متصل ڈاکخانہ امین آباد لکھنؤ

راحت کی نوید بن، فغاں بن کے نہ پھیل
اس محفل آب و گل میں با جہد و عمل
بن لعل و گہر، اشک رواں بن کے نہ پھیل
خوشبو کی طرح پھیل، دھواں بن کے نہ پھیل
(فیروز نظامی)

مدارس عربیہ مالابار میں

از: ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ صدر شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی کیرالہ

عربی زبان و ادب کا رواج جس کثرت سے علاقہ مالابار میں ہے اس کی مثال ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ میں نہیں ملتی۔ مسلمانوں میں ایک معتد بہ طبقہ عربی زبان میں گفتگو اور خط و کتابت پر قدرت رکھتا ہے۔ اکثر بس میں یا شہر میں ایسے لوگ مل جاتے ہیں جن سے گفتگو صرف عربی میں کرنی پڑتی ہے اسلئے کہ ملایالم سے میں واقف نہیں ہوں اور وہ انگریزی نہیں جانتے۔ یہاں عربی کے طلبہ اس کثرت سے اسکولوں اور کالجوں میں ملتے ہیں جیسے اردو کے طلبہ یوپی میں بلکہ اردو علاقوں کے لوگ حالات کے اندیشہ سے اور ملازمت کے خیال سے اردو پڑھانا اپنے بچوں کو پسند نہیں کرتے مگر اس علاقہ میں مسلمان نہایت شوق سے عربی میں طلبہ کو بھیجتے ہیں اور ان کی تعداد کافی ہوتی ہے چنانچہ یہاں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ اور اساتذہ موجود ہیں۔

تعلیم کا آغاز عربی سے:

عام طور سے اس دور میں تعلیم کا آغاز مادری زبان سے ہوتا ہے مگر کیرالا میں مسلمان بچوں کو یہ سہولت حاصل ہے کہ ان کو شروع ہی سے عام پرائمری اسکولوں میں عربی کی تعلیم دی جاتی ہے وہ ملایالم کے ساتھ ساتھ عربی بھی شروع کر دیتے ہیں۔ پہلی کلاس سے عربی زبان کی عام تعلیم صرف اس علاقہ کی خصوصیت ہے جس کی نظیر کسی اور خطہ میں نہیں مل سکتی۔ اسی بنا پر ہر جگہ عربی کے اساتذہ موجود ہیں ان کے لئے ٹریننگ کا مخصوص انتظام ہے۔ پرائمری کے بعد پھر ہائی اسکول میں ملایالم کا ایک پرچہ رہ جاتا ہے اور عربی کے دو پرچوں میں امتحان ہوتا ہے۔ یہاں ایسے ہائی اسکول بھی ہیں جن میں ذریعہ تعلیم بھی عربی ہے۔ مثلاً اورینٹل ہائی اسکول ترور نگاڑی میں تمام اسباق کی تعلیم عربی زبان کے ذریعہ ہوتی ہے۔

عربی کے طلبہ:

عربی زبان سیکھنے والے طلبہ کئی قسم کے ہیں ایک وہ جو ہائی اسکول تک عربی سیکھتے ہیں، دوسرے وہ جو کالج کے معیار پر عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً یہاں کا مشہور کالج فاروق کالج ہے جس میں دو سو طلبہ نے عربی بحیثیت مضمون کے اختیار کیا ہے۔ عربی اکثر سرکاری کالجوں اور مسلم کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ فاروق کالج، سرسید کالج، ایم۔ ای۔ ایس کالج پنانی، ایم۔ ای۔ ایس کالج ممپاڈ، پوکر صاحب میموریل کالج ترورنگاڈی۔ گورنمنٹ کالج کالی کٹ، بریڈن کالج تیلیچری، ٹریچور گورنمنٹ کالج، یونیورسٹی کالج تریوینڈرم، مہاراجہ کالج کوچین وغیرہ میں عربی کے طلبہ موجود ہیں، کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔

عربی کے طلبہ بڑی کثرت سے مساجد میں عربی پڑھتے ہیں اور تقریباً ہر مسجد ایک مدرسہ بھی رکھتی ہے۔

پھر عربی کے طلبہ کثرت سے ان کالجوں میں ملتے ہیں جو صرف عربی کے لئے قائم کئے جاتے ہیں۔ ان میں کالی کٹ کے یونیورسٹی کا مشرقی امتحان کا کورس افضل العلماء پڑھایا جاتا ہے۔

عربی کے اساتذہ:

چونکہ عربی اکثر پرائمری اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس لئے عربی کے اساتذہ نچلی کلاسوں سے لے کر اونچے درجات تک بڑی تعداد میں درکار ہیں اور ان کو ملازمت بھی آسانی سے مل جاتی ہے۔ اساتذہ کالجوں میں اور خصوصاً عربی کالجوں میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ پھر ہر امام و مؤذن عربی داں ہوتا ہے اور اکثر مسجدوں میں ناظرہ نہیں بلکہ عربی زبان کی تعلیم ہوتی ہے۔ محتاط اندازہ یہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد اساتذہ کی غیر عربی علاقہ میں سوا مالابار کے کہیں اور نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ کیرالا میں پانچ ہزار عربی کے اساتذہ موجود ہیں جن کی اپنی انجمن قائم ہے "اتحاد معلمی اللغة العربية" کے نام سے۔ جب اس کے اجتماعات منعقد ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پوری سوسائٹی عربی داں ہے ہر شخص سے عربی میں گفتگو ہر طرف عربی کی جستجو۔

عربی کالج:

علاقہ مالابار میں ایسے کالج قائم ہیں جن میں ذریعہ تعلیم عربی ہے اور صرف عربی اور اسلامیات کی تعلیم دیجاتی ہے۔ ان کالجوں میں ۲۰۰ — ۲۵۰ تک طلبہ ہوتے ہیں تنخواہ گورنمنٹ سے ملتی ہے اور افضل العلماء کالی کٹ یونیورسٹی کا کورس پڑھایا جاتا ہے۔ کئی کالج خالص عربی کے کالی کٹ یونیورسٹی سے ملحق ہیں — یہ کالج جماعت مجاہدین چلاتی ہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

(۱) مدینة العلوم پلکل (۲) انصار عربک کالج (۳) سلم السلام عربک کالج (۴) انوار الاسلام عربک کالج (۵) ارشاد المسلمین عربک کالج (اس کا الحاق نہیں ہے) (۶) روضة العلوم عربک کالج فاروق، کالی کٹ۔

غیر سرکاری عربی کالج:

بڑی تعداد میں ایسے عربی مدارس ہیں جن کا الحاق کسی یونیورسٹی سے نہیں بلکہ وہ چندہ سے چلتے ہیں۔ یہ مدارس سمستھا کیرالا جمعیة العلماء، ندوة المجاہدین اور بعض دوسری جماعتوں کے تحت چلائے جاتے ہیں ان میں سے بڑی بڑی درسگاہوں کے نام یہاں درج کرتے ہیں۔ سہولت کے خیال سے اس فہرست میں اول الذکر کالجوں کو بھی شامل کر لیا ہے تاکہ مشہور کالجوں کی ایک ایسی فہرست مرتب ہو سکے جس سے اس دیار میں عربی کی عظمت کا تصور کیا جا سکے۔ اگرچہ اس فہرست میں بہت سے مدرسے شامل کئے جا سکتے ہیں مگر وہ ابھی تک میرے علم میں نہیں آسکے ہیں اس لئے کہ وہ مشہور نہیں اور خاموش خدمت میں مصروف ہیں۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کیرالا کے ممتاز عربی و اسلامی مدارس کی ایک فہرست پیش کر دوں جو میرے علم میں آسکے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اس سرزمین کے چپہ چپہ پر عربی کے نقوش موجود ہیں اور مدارس عربیہ کی مکمل فہرست ایک اہم کام ہے۔ عموماً یہ مدارس "ندوة المجاهدين" سمستھا کیرالا جمعیة العلماء سنی اور جماعت اسلامی کے تحت چلتے ہیں البتہ بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا تعلق کسی گروہ سے نہیں ہے۔

مدارس زیر نگرانی سمستھا کیرالہ جمعیة العلماء سنی:۔

۱۔ جامعہ نوریہ عربیہ پٹی کاڈ، پرنتل منا ضلع ملاپورم۔
۲۔ انواریہ عربک کالج پناچیری، تلائی چربلاسیری ضلع
۳۔ جزء العلوم عربک کالج۔ پال گھاٹ
۴۔ رحمانیہ عربک کالج، کوڈمپری، باڈاگرا ضلع کالی کٹ۔
۵۔ معونة العلوم عربک کالج پنانی ضلع
۶۔ سراج الہدیٰ عربک کالج کوڈولی، ضلع ملاپورم۔

مدارس زیر نگرانی ندوة المجاهدين

۷۔ جامعہ ندویہ عربیہ، اڈوان ضلع ملاپورم
۸۔ مجاہدین عربک کالج پرالی ضلع ملاپورم
۹۔ انصار عربک کالج ول ونور ضلع ملاپورم
۱۰۔ سلم السلام عربک کالج، اریکوڈ،
۱۱۔ مدینة العلوم " " پلکل
۱۲۔ انوار الاسلام " " پرانے اسوان مونگم ضلع ملاپورم
۱۳۔ سلفیہ عربک سیاپور
۱۴۔ مجاہدین عربک کالج رڈوا تھانی
۱۵۔ ارشاد المسلمین عربک کالج، اریکوڈ، کوڈن گلور
۱۶۔ کے۔ ایم۔ مولوی میموریل عربک کالج ترورنگاڈی ضلع ملاپورم

جماعت اسلامی کی زیر نگرانی

۱۷۔ اسلامیہ کالج، شانتاپورم
۱۸۔ عربک کالج کٹ پوڈی
۱۹۔ چناسنگلور عربک کالج

آزاد ادارے جو کسی گروہ کی ماتحتی میں نہیں

۲۰۔ روضة العلوم عربک کالج فاروق، کالی کٹ
۲۱۔ دار العلوم عربک کالج واڈکوڈ ضلع ملاپورم
۲۲۔ عالیہ عربک کالج پیاداڈ ضلع کاسرگوڈ
۲۳۔ نصرة الاسلام عربک کالج الاتو کنڈوٹی۔

ابتدائی عربی مدارس

سمستھا کی زیر نگرانی:	۳۱۳۳
ندوة المجاهدين:	۸۰
جماعت اسلامی:	۵۰

ایسے مدارس جن کا کوئی نام نہیں ہے مگر کام کر رہے ہیں بہت زیادہ ہیں، اکثر مسجدوں کے اوپر ایک عربی مدرسہ قائم ہے جن مدارس کے نام اوپر دئے گئے ہیں وہ زیادہ معروف ہیں ورنہ ہر جگہ عربی مدرسے قائم ہیں۔

عربی کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بس وغیرہ میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں انگریزی بولنا شروع کرتا ہوں مگر فریق ثانی عربی میں گفتگو کرنے لگتا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہاں "افضل العلماء" پاس کرنے کا رواج کافی ہے عربی کالج اچھے ذی استعداد طلبہ تیار کرتے ہیں جو عربی زبان میں کتابت و خطابت پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں، اگرچہ وہ انگریزی سے بالکل نابلد ہوتے ہیں۔ اس جانب میں نے اکثر ان مدارس کے اہل حل وعقد کو توجہ دلائی کہ اگر ایک گھنٹہ اور طلبہ کو انگریزی کی تعلیم بھی دی جائے تو وہ حالات زمانہ سے اجنبیت محسوس نہ کریں گے — دلچسپ بات یہ ہے کہ اس علاقہ میں عربی زبان کا ذریعہ تعلیم عربی ہے۔ عربی کی ابتدائی تعلیم تو ملایالم کے ذریعہ دی جاتی ہے مگر اونچے کلاسوں میں تعلیم کا ذریعہ عربی ہو جاتی ہے جس کے باعث طلبہ اس زبان میں بے تکلف لکھنے اور بولنے کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔

خود کالی کٹ یونیورسٹی میں عربی ایم۔ اے میں ذریعہ تعلیم دوسری یونیورسٹیوں کی طرح انگریزی یا مقامی زبان نہیں ہے بلکہ صرف عربی ہے۔ طلبہ امتحان میں صرف عربی ہی میں جواب لکھتے ہیں۔ بی۔ اے تک انگریزی ذریعہ تعلیم ہے مگر ایم۔ اے

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

روضۂ اقدس

مولانا ہاشم میاں فرنگی محلی

ہماری مبارکباد تو آپ کی خدمت میں اسی وقت پہونچ گئی تھی جب آپ مالک ارض و سما کے گھر میں داخل ہو گئے تھے۔ صدیوں کا یہ دستور ہے کہ جو بھی یہاں آئے اگر وہ برتن عشق و محبت میں سرشار نہیں ہو سکا ہو تو جتنی دیر بھی وہ رب البیت کے حضور میں رہے اپنے کو عاشق بنا کر زمرہ عشاق میں شامل ہو۔ اس آن دیکھے کے ماننے والوں اور چاہنے والوں کا بلاریب یہ عقیدہ رہا ہے کہ اچھوں کی صف میں شمولیت بھی ایک بڑی نعمت لازوال ہے۔

احب الصالحین ولست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

آپ بھی اس اچھے شعر کو اپنی زبان منتقل کر کے شاعر کو خراج عقیدت پیش کیجئے۔

افسوس اس کا ضرور ہے میں خود ابھی اچھا نہیں بن پایا ہوں میں اچھوں سے محبت کرتا ہوں اگر میری محبت میں اصلیت کا شائبہ بھی آجائے گا تو خالق کائنات مجھے توفیق نیک عنایت فرمائے گا۔ پھر میں خود اچھا بن جاؤں گا۔

آپ کے دیار کے ایک اچھے شاعر نے اچھی بات کہی ہے شاید اس کا قول ہم سب کے لئے نور عمل بن جائے ؎

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن
پہلے عادت پھر عبادت ہو گئی

آپ کتنے خوش نصیب ہیں کعبہ شریف میں حاضر ہوئے آپ نے طواف کیا، نہیں غلط عرض کیا، سچ یہ ہے کہ بار بار آپ نے طواف کئے، آپ نے مقام ابراہیمؑ پر نماز ادا کی، صفا اور مروہ کی سعی کی، حطیم کے دائرہ میں داخل ہو کر نوافل ادا کر لئے، حجر اسود کو بوسہ دے دیا، پھر منیٰ کے لئے تیار ہو گئے نویں تاریخ قبل زوال آپ عرفات بھی پہونچائے گئے اور ایسے بنا دئے گئے کہ جیسے آپ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ غروب آفتاب کے بعد قافلہ والوں کے ساتھ مزدلفہ میں حاضر ہو گئے، مقدر کو بیدار کرنے والوں نے یہ رات آنکھوں آنکھوں میں کاٹ دی۔ اندھیرے اجالے کے درمیان سویرے سویرے دیوانوں کا قافلہ منیٰ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سمجھدار لوگ یہاں مستقبل کو تابناک بنانے کی کوشش میں دن رات مصروف رہا کرتے ہیں غرضکہ عشق و مستی کی تمام کیفیات سے گذار کر پھر رب البیت کے حضور حاضر کر دیا گیا۔ اب آپ ہیں اور بیت اللہ کا طواف ہے کعبہ کی دیواروں سے آپ چمٹ رہے ہیں، رو رہے ہیں، گڑ گڑا رہے ہیں، مغفرت کے طالب ہو رہے ہیں، دعائیں بھیک مانگ رہے ہیں۔

کیوں نہ غلاف کو آپ اپنے سینے سے ملا رہے ہیں کہ دل کی سیاہی کافور ہو جائے۔ سنیئے شاید آپ زبان بے زبانی میں کچھ کہہ بھی رہے ہیں ؎

میں تیرہ بختی پہ اپنے خوش ہوں کہ تیرہ وہ زلف و خال بھی ہے
خدا کے گھر کا غلاف کالا سیاہ رنگ بلال بھی ہے

لیجئے آپ کا حج ہو گیا اللہ مبارک کرے۔ ہم جرمانصیبوں کے لئے کچھ عرض کر دیجئے شاید کبھی ہم بھی آپ کی اچھی برادری میں شامل کر دئے جائیں۔

سنئے تو یہ کیسی آوازیں آرہی ہیں، یہ دلوں کی آواز ہے۔ اہل دل ہی کو سنائی دے گی ؎

حاجیو! آؤ جلو شاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

ہاں یاد آگیا بہت دنوں کی بات ہے جب ہماری چاہنے والی ماں ہم کو رات میں تھپک تھپک کر سلاتی تھیں تو نہایت والہانہ انداز سے بہت ہی لطیف آواز میں یہ لوری گنگنایا کرتی تھیں ؎

دکھائے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولا تری رحمت برستی ہے

مناسک حج کی ادائیگی کے بعد ہر ایک مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے بیتاب ہے جس کو دیکھئے وہ طواف کے ختم کے بعد اپنے پاس والے سے پوچھ رہا ہے کہ کب مدینہ طیبہ کا قصد ہے کس وقت اور کس سواری سے ارادہ ہے، خود تو کعبہ میں ہے مگر دل مدینہ طیبہ میں اٹکا ہوا ہے۔ آپ کی اس خوش نصیبی پر جتنا بھی رشک کیا جائے کم ہی ہے مگر اس ہجوم ذوق و شوق میں یہ ضرور ملحوظ رہے کہ جس گھر میں آپ ابھی ہیں اس کو آپ کی وارفتگی اور سرشاری پسند ہے مگر آپ اب جہاں جانے والے ہیں وہاں کے لئے رب البیت کو خشوع و خضوع محبت و عاجزی، ادب و احترام اور پوری متانت و سنجیدگی پسند ہے۔ محبت کے مکان سے رخصت ہو کر اب محبوب کے در پر مقدر آزمائی اور جبہ سائی کے لئے حاضر ہونے والے ہیں یہاں قدم قدم پر احتساب ہے، قلب و نظر کا امتحان ہے، جذبات دل قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، ادب و آداب کو ملحوظ رکھنے پر بے پناہ اجر و ثواب بھی عنایت کیا جاتا ہے۔ بڑے بوڑھے ہر آنے والی نسل کو بتا دیا کرتے ہیں ؎

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

آپ کی خوش بختی کے لئے اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خطیبہ آپ کی خوش بختی کے لئے بعد ادائیگی حج مدینہ طیبہ حاضر ہو رہے ہیں جہاں آج رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، جس وقت تصور کرتا ہوں کس بلندی آنے لگتی ہے ؎

اے صلی علیٰ آرام گہ سرکار دو عالم کیا کہئے
اللہ جیسا صاحب کو اجر عظیم عنایت فرمائے۔

فارسی سے کچھ ذوق ہو تو عرض کروں ؎

تو اے بیمار درد دل مسیحا را چہ می جوئی
طبیب مہرباں اینجا دوا اینجا شفا اینجا

درد دل کے بیمار کو اب مسیحا کے تلاش کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مہرباں طبیب یہیں تشریف فرما ہے دوا بھی یہیں ہے اور شفا بھی یہیں ملے گی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پیشتر اس بستی کا نام یثرب تھا اس لفظ میں فساد، معاندہ اور عتاب مضمر تھا۔ اللہ کے رسولؐ کے ماننے والے اور احکام جاننے والے یہی بتاتے کہ حضور اکرمؐ کے تشریف لانے کے بعد فساد و عتاب و معاندہ نے اس بستی سے اپنا بوریا بستر سمیٹ لیا، اب یہ مدینۃ الرسول ہے یہی طیبہ ہے محبت کرنے والوں کے لئے یہی جنت بھی ہے۔ جغرافیہ کے فن کے ایک بڑے عالم تحریر فرماتے ہیں۔ مدینہ کی یہی خصوصیت ہے اس کی ہوا نہایت پاکیزہ ہے اسلئے ہوا یہاں عطر کی خوشبو کو جب پھیلاتی ہے تو اس کے تعطر میں ایسا اضافہ ہو جاتا ہے جو کہیں اور پایا نہیں جاتا۔

آب و ہوا کی جب یہ کیفیت ہو تو پھر یہاں کے ایمان افروز اور روح افزا اثر کا کیا پوچھنا وہ جگہ کتنی اچھی بن گئی ہو گی جہاں آپ نے قیام فرما لیا۔

ایمان کو جلا دینے کے لئے اللہ کے رسول صاحب مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ حدیثوں کو سماعت فرمائیے۔

من حج ولم یزرنی فقد جفانی
(جس نے حج تو کر لیا مگر میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔)

ان احادیث سے خوشخبری حاصل کیجئے۔

من زار قبری وجبت لہ شفاعتی
(جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے حق میں میری شفاعت ضرور ہے۔)

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی۔ (جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے مجھے بقید حیات دیکھ لیا۔)

من زار قبری فکانما زارنی فی حیاتی۔
(جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں زیارت کی)

بات ختم کرتے ہوئے ایک حدیث شریف اور سماعت فرمائیے،

من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامۃ۔
(جس نے قصد و ارادہ کے ساتھ میرے یہاں حاضری دی اور میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہو گا)

جانم فدائے دیدہ کہ روئے تو دیدہ است
قربان پاشوم کہ بکوئے رسیدہ است

(اس آنکھ پر میں اپنی جان فدا کرتا ہوں جس کے دیدہ روشن نے آپ کی زیارت کر لی ہے، اس پاؤں کے میں قربان جو آپ کے کوچہ میں پہونچ چکا ہے۔)

خوشا چشم کو بنگرد مصطفیٰ را
خوشا دل کہ دارد خیال محمدؐ

(وہ آنکھ کتنی اچھی ہے جو اللہ کے منظور نظر کو دیکھ لیا کرتی ہے، وہ دل کتنا قابل قدر ہے، جس میں حضورؐ کا لی لگاؤ خیال رچا بسا ہوا ہے)

مدینہ طیبہ میں آپ چالیس نمازیں ادا کر چکے۔ جی بھر مواجہ اقدس میں حاضری دے چکے، اطمینان سے صلوٰۃ و سلام عرض کر چکے، اب ایمان کی دولت بے پایاں لے کر اپنے وطن

حملہ

قصد فرمائیے۔ اس دربار عالی میں جو اپنی خوش بختی سے پہونچ گیا وہ اچھا بنا کر واپس کیا جاتا ہے۔

تو آئیے اور جلد آیئے، ہم کو اور ہمارے ملک کو اچھے آدمیوں کی ضرورت ہے۔

آرزو دارم کہ قربانت شوم

(ریڈیائی تقریر)

زندگی کا نصب العین سمجھئے

عزیز نوجوانو! اس زمانہ میں جب دنیا جنگ وجدال میں گرفتار ہے اور وطن پرستی کے غلط جذبے نے ان کو ظالم و ستمگر بنا دیا ہے اور دنیا خون سے نہا رہی ہے، وقت ہے کہ آپ زندگی کے صحیح نصب العین کو سمجھیں اور اپنے کو اس انقلاب کے خوش آمدید کے لئے تیار کریں جو ہمارے دروازہ پر کھڑا ہے، تغافل، تجاہل، اور انجان بننے سے جس طرح ہمارے جسم کے اندر کی بیماری دور نہیں ہو سکتی اسی طرح ہمارے جسم کے باہر کی بیماری بھی دور نہیں ہو سکتی۔

(سید سلیمان ندویؒ)

مفتون کوٹوی۔ کوٹہ (راجستھان)

حجِ بیت اللہ

بحکم حق تعالیٰ حجِ بیت اللہ لازم ہے
کسی کو استطاعت ہو اگر مالی و جسمانی

وہی توفیق بھی دیتا ہے ہم کو استطاعت بھی
تو پھر ہم کیوں نہ مانیں صدق دل سے حکمِ ربانی؟

وہ صحت ہو کہ دولت ہو، فراغت ہو کہ راحت ہو
جسے بھی جس قدر مل جائے یہ ہے فضلِ ربانی

وہ چھین بھی لے استطاعت کیونکہ قادر ہے
اسی کی دین ہے ظلمت اسی کی دین تابانی

تو پھر بہتر یہی ہے حق تعالیٰ دے اگر قدرت
اسی کی نذر کر دیں قوتِ مالی و جسمانی

یہ حج کیا؟ اعترافِ برتریٔ حق تعالیٰ ہے
کہ اسکے دستِ قدرت میں ہیں سارے باقی و فانی

یہ بندہ ظالم و جاہل بھی ہے مسکین و احقر بھی
جبھی تو کعبہ کے لبیک آئے پیشِ ذاتِ سبحانی

شہنشاہِ دو عالم، مالک الملک اسکے قبضے میں
زمین و آسماں، یہ خاک و آتش یہ ہوا، پانی

سبھی اسکی اطاعت پر کمربستہ ہیں عالم میں
تو پھر انسان کا وہ کیوں نہ پرکھے ذوقِ ایمانی؟

وہ دیکر استطاعت اپنے بندوں کو بلاتا ہے
کہ حاضر ہوں سبھی لے کر متاعِ دردِ پنہانی

ہوں وقتِ خاص میں سب جمع یکجا منکسر ہو کر
وہ سب پہنے ہوئے ہوں ایک سا ملبوسِ جسمانی

غلامانہ صدا لبیک کی سب کی زباں پہ ہو
کہ آفاقی ہے موزوں صرف بہرِ ذاتِ سبحانی

جہاں دوڑائیں دوڑے بھی جہاں ٹھہرائیں ٹھہرے بھی
مسلماں اصل میں ہے تابعِ احکامِ یزدانی

طوافِ کعبہ و احرام، سعی و بوسۂ اسود
نماز و سجدہ جو کچھ بھی ہو تحتِ حکمِ قرآنی

اگر اس تربیت اس امتحاں میں کامیابی ہو
تو پھر کیا کہئے دل بھی پاک ہے سینہ بھی نورانی

بنائے کعبہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے رکھی
کہ سالانہ نظر آئے یہاں شانِ مسلمانی

ہو کعبہ مرکزِ اسلام، وہ پرکار کا نقطہ
کہ اس مرکز پر آکر جمع ہو انبوہِ انسانی

ہوا براہیمؑ کی ملت میں یکسانی و یک رنگی
اکٹھے اک جگہ ہو جائیں ایرانی و افغانی

نہ رنگ و نسل کوئی شے نہ ملک و قوم کوئی شے
فقط اسلام کا حاوی ہے سب پر ربطِ پنہانی

خلیل اللہ کی ملت بندھی ہے ایک رشتے میں
یہی رمزِ مسلمانی، یہی تعلیمِ قرآنی

مدینے میں جو ذاتِ پاک محوِ خوابِ راحت ہے
ہے جس کی یاد سے تازہ بہردم ذوقِ ایمانی

وہ ختم الانبیاؐ امت میں جس کی سارے مسلم ہیں
کہ جس کی وحی ہے مجموعۂ آیاتِ قرآنی

سکھاتے ہیں وہی یہ کم و شرب کی کل باتیں
وہی تاکیدِ حج کرتے ہیں تحتِ حکمِ یزدانی

یہ حج وہ ہے کہ جنت ہے جزا جسکی حدیثوں میں
ضعیفوں کا جہاد۔ اسلام کی اس سے درخشانی

وہ حج جس کی قبولیت گنہ سے پاک کرتی ہے
کہ جیسے آج ہی پیدا ہوا ہو طفلِ نورانی

نماز ایثارِ جسمانی، زکات ایثارِ مالی ہے
مگر اس حج میں ہے قربانیٔ مالی و جسمانی

ہے شکر اللہ کا جسنے یہ نعمت ہم کو بخشی ہے
سلام ایسے نبیؐ پر جس سے پائی یہ درخشانی

نماز و روزہ و حج و زکات ارکان ہیں ایسے
کہ بندوں پر ہے جن سے فضل و رحمت کی فراوانی

بے دنیا کا بھی نظم و ضبط اوج و ارتقا ان میں
ہے دین و آخرت کے بھی نہاں انعامِ یزدانی

وہ امت، خیرِ امت کے لقب سے جو مشرف ہے
اسی کو یہ خدا نے بخشے ہیں اسرارِ پنہانی

خدا توفیق دے مفتوںؔ کہ ہم یہ راز پا جائیں
نظر بھی ہو مسلمانی۔ فراست بھی ہو ایمانی

(مفتون کوٹوی)

ذاتِ پاکِ مصطفےٰ ہی شمعِ ایوانِ وجود

از: نثار عباسی

روزۂ اطہر کو دیکھے ہے یہ ارمانِ وجود
مضطرب ہے خانۂ دل میں یہ مہمانِ وجود

مشعلِ راہِ ہدایت ہے حیاتِ طیبہ
ذاتِ پاکِ مصطفےٰ ہے شمعِ ایوانِ وجود

ہے حیاتِ طیبہ میں نغمہ زن حسنِ عمل
اور آئینِ شریعت شرحِ دیوانِ وجود

بلکہ ہے حسنِ عمل ہی حسنِ دنیا حسنِ دیں
بندگی کی شان ہے یا اور یہ شانِ وجود

رہنمائے زیست ہے خوفِ خدا، حبِّ رسول
اور ہے یہ حبِّ دنیا فتنہ سامانِ وجود

محسنِ انسانیت وہ پیکرِ خلقِ عظیم
بے سہاروں کا سہارا ان کا دامانِ وجود

وہ شہنشاہِ دو عالم رحمۃ للعالمین
پاک طینت پاک سیرت پاک دامانِ وجود

تشنگیٔ زیست کو مل جاتی ہے آسودگی
نفس ہو گر مطمئن اے تشنہ کامانِ وجود

اس حیاتِ عارضی کی چند روزہ ہے بہار
زندگی اک اور بھی ہے اے ندایانِ وجود

ہیں عملِ صالح خدنگِ ترکشِ ہستی نثارؔ
کر شکارِ نفسِ آمارہ زِ پیکانِ وجود

مظہرِ ذاتِ خدا ہے آدمی بیشک نثارؔ
منتہائے منزلِ عرفاں ہے عرفانِ وجود

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے
۸۵ سالہ جشن کے موقع پر۔

پرتوِ حسنِ عمل ہے ندوہ
ایک شاداب کنول ہے ندوہ

کیوں نہ ہوتی رہے "تعمیرِ حیات"
علم کا تاج محل ہے ندوہ

(ایم۔ یونس اختر کاظمی)

"تعمیرِ حیات" کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے۔

مولانا شبلی متکلمؒ ندوی

از: عبد الرحمن ناصر اصلاحی بی۔ اے جامعہ

یکم نومبر ۱۹۲۹ء میں، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے درجہ اول عربی میں داخل ہوا۔ گو سالانہ امتحان میں صرف ڈیڑھ مہینے باقی رہ گئے تھے، مگر استاذ مکرم مولانا اختر احسن اصلاحی کے حوصلہ دلانے پر میں نے درجہ مذکور میں حاضری دینی شروع کر دی اور سالانہ امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہو کر جنوری ۱۹۳۰ء میں دوسرے درجے میں پہنچ گیا۔ اس طرح میں ہر سال پاس ہوتا رہا اور بالآخر ۱۹۳۶ء میں مجھے مدرسۃ الاصلاح کی سند فراغت دے دی گئی اور میرے نام کے ساتھ لفظ اصلاحی لکھا جانے لگا۔

۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء کو مولانا حمید الدین فراہیؒ کا انتقال ہوا، اور ان کی جگہ پر مولانا فراہیؒ کے چھوٹے بھائی جناب حاجی رشید الدین صاحب فراہیؒ کا بحیثیت ناظم مدرسۃ الاصلاح انتخاب عمل میں آیا، چنانچہ جب میں مدرسہ پر آیا تو اس وقت قبلہ حاجی رشید الدین صاحب ناظم، مولانا محمد شفیع صاحب بانی مدرسۃ الاصلاح مہتمم، اور جناب مولانا شبلی صاحب متکلم مہتمم کے درجہ پر فائز تھے۔ اساتذہ کی فہرست میں استاذ فلسفہ، مولانا شبلی صاحب متکلم استاذ حدیث، مولانا محمد سعید صاحب ندوی استاذ ادب، مولانا عبد الصمد صاحب ندوی استاذ قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی استاذ نحو، مولانا اختر احسن اصلاحی اور ان کے علاوہ، جناب حافظ عبد الاحد صاحب اصلاحی، مولانا ابو محمد صاحب اصلاحی، جو چھ زبانوں سے واقف تھے جن میں عبرانی زبان بھی شامل تھی۔ استاذ فارسی جناب مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی اور انگریزی کے استاذ جناب ماسٹر عبد الجبار صاحب شامل تھے۔ یہ سب لوگ اپنے وقت کے آفتاب و مہتاب تھے، افسوس کہ اس طویل فہرست اساتذہ میں سے آج میرے صرف دو استاذ بقید حیات ہیں۔ ایک تو استاذ مکرم مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، اور دوسرے استاذ محترم مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی — اور سچ پوچھئے تو میرے لئے عملاً ایک ہی استاذ بقید حیات ہیں اور وہ ہیں مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی جنھوں نے مجھے "ارشاد الفحول" پڑھائی، باقی رہے استاذ شفیق مولانا امین احسن اصلاحی تو وہ پاکستان جا بسے — اور اس طرح ہم ایک دوسرے کے لئے زندگی ہی میں مرحوم ہو کر رہ گئے۔

مولانا شبلی متکلم کا دور اہتمام، مدرسہ کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے، آج جتنے بھی اصلاحی آسمان علم و ادب پر، ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں ان کی اکثریت نے اسی روشن دور سے روشنی حاصل کی ہے، جسے دور شبلی کہا جاتا ہے۔ امین احسن اصلاحی ہوں یا اختر احسن اصلاحی، نجم الدین اصلاحی ہوں یا بدر الدین اصلاحی، ابو اللیث اصلاحی ہوں یا یوسف اصلاحی۔ ضیاء الدین اصلاحی ہوں یا عبد العظیم اصلاحی، غرض کن کن ستاروں کا نام لوں، ستارے بے شمار ہیں، لیکن یہ طے ہے کہ یہ سب کے سب آفتاب شبلی کے گرد چکر لگانے والے سیارے تھے۔

مولانا شبلی متکلم کا انداز درس، سبحان اللہ! جیسے کوئی کشتی، کسی بحر تلاطم میں موجوں سے بے نیاز ہو کر پوری سبک خرامی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہو، مولانا پڑھاتے وقت اپنے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں رکھتے تھے۔ طلبہ کتاب پڑھتے اور مولانا پوری وضاحت کے ساتھ مطالب بیان کرتے اور ساتھ ہی ساتھ، نکتہ آفرینیاں اور نکتہ سنجیاں بھی فرماتے اور اس طرح کہ صاحب نظر طالب علم جھوم جھوم کر رہ جاتا۔ قدرت اور جوش کا یہ عالم تھا کہ دوران قرأت میں اگر کسی طالب نے کوئی لفظ چھوڑ دیا چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا لفظ ہوتا، فوراً یہ کہہ کر ٹوک دیتے، کیا؟ پھر سے عبارت پڑھو! اور کبھی کبھی تو کمال ہی کر دیتے ہوتا یہ کہ ہم عبارت پڑھتے پڑھتے یک بیک رک جاتے اس لئے کہ یا تو آگے کا لفظ پڑھا نہیں جاتا یا پھر اگلی عبارت کی "ترکیب" سمجھ میں نہیں آتی مولانا فوراً بول اٹھتے چلو چلو آگے پڑھو اور یہ کہہ کر بغیر کتاب دیکھے آگے کی عبارت بالکل صحیح پڑھ دیتے اور ہم لوگ دنگ رہ جاتے۔

میں نے مولانا سے مختلف درجوں میں "مرقات منطق"، "لباب الاشارات"، "بدایۃ المجتہد" اور "حجۃ اللہ البالغۃ" سبقاً سبقاً اور بالاستیعاب پڑھی ہے۔ حجۃ سے متعلق تو میرا اپنا یہ تاثر ہے کہ عظیم آباد پٹنہ سے لے کر قلب پنجاب لاہور تک ان کے جیسا، شاہ ولی اللہ کا شارح اس دور میں میرے علم اور میری نظر سے نہیں گذرا۔ میرا علم اور میری نظر ہی کیا۔؟

مولانا شاگردوں کے بارے میں بڑے شفیق واقع ہوئے تھے، سلام کے جواب میں ہمیشہ "جیو" کہتے اور اگر سلام کرنے والا قریب ہوتا تو "جیو" کے ساتھ اس کے سر پر ایک ہلکا سا چپت بھی رسید کرتے۔ ہمارے سر اس لطیف چپت کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ سلام کے ساتھ خود بخود جھک جاتے تھے۔ ہائے! کتنی حلاوت تھی "جیو" میں اور کتنی شفقت تھی، اس چپت میں! اب تو صرف ان کی یاد باقی ہے۔

مولانا ظاہری تہذیب و بند اور کاغذی اصول و ضوابط کے قائل نہ تھے، ان کا خیال تھا کہ تعلیم اور تربیت اس انداز سے کی جائے، اور ذہنوں میں اس کو اس طرح رچایا اور بسایا جائے کہ کام کی لگن سے پوری فضا معمور اور انسان ضابطوں سے بے نیاز ہو جائے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ ہم پڑھتے تھے اور امتحان بھی دیتے تھے مگر فیل ہونے کے تصور نے، ہمیں کبھی پریشان نہیں کیا، اس لئے کہ اچھے نمبروں سے ہم آگے ہوتے تھے کہ خود بے چارہ "فیل" ہمارا پیچھا کرنے سے شرماتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے ادھر امتحان دیا اور معاً ادھر اگلے درجہ کی ساری کتابیں خرید لیں۔

خودستائی ہے، مگر اسی سلسلہ کی کڑی بھی ہے۔ دوران تعلیم میں، میں ایک بار اپنے استاذ محترم مولانا اختر احسن اصلاحی کو لے کر بغرض علاج لکھنؤ گیا ہوا تھا۔ قیام مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی ندوی کے یہاں تھا جو اس وقت ندوہ میں استاذ تھے، علاج ڈاکٹر عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کا تھا۔ میرا زیادہ وقت اپنے دوست جناب عبد اللطیف صاحب اعظمی کے یہاں گذرتا تھا، اس وقت موصوف ندوہ کے طالب علم تھے۔ ندوہ پہنچنے کے پہلے ہی دن مولانا ابو اللیث صاحب نے مجھ سے پوچھا:-

"تم مدرسۃ الاصلاح میں پڑھتے ہو۔؟"

"جی ہاں!" میں نے عرض کیا۔

پھر فرمایا:-

"عبد الرحمن ناصر کو جانتے ہو؟"

"جی ہاں، اچھی طرح" دوبارہ جواب دیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے سوال کر دیا۔

ارشاد ہوا:-

"قرآن کا پرچہ بہت اچھا کیا ہے"

میں خوش ہو کر خاموش ہو گیا، اور مولانا آگے بڑھ گئے۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر، انہوں نے یہی سوال مولانا اختر احسن صاحب سے کر دیا۔

"مولانا! آپ کے یہاں عبد الرحمن ناصر کون طالب علم ہے؟"

"کیا بات ہے؟" مولانا نے حیرت سے کہا۔

"کچھ نہیں، وہ قرآن کا بہت اچھا طالب علم معلوم ہوتا ہے"

"آپ کو کیسے معلوم؟"

"اتفاق سے میں امسال اس درجہ کے قرآن کا ممتحن ہوں"

"عبد الرحمن وہی تو ہے جو میرے ساتھ تیماردار کی حیثیت سے آیا ہے۔"

"اچھا تو یہ آپ کا فیض صحبت ہے۔ آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں"

"دلچسپ ہی نہیں، ظریف بھی ہیں" مولانا اختر احسن صاحب نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

مولانا شبلی کب پیدا ہوئے؟ یہ مجھے معلوم نہیں! البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آفتاب علم ۳۰ دسمبر ۱۹۷۵ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، اور پھر آج تک مدرسۃ الاصلاح کے اندر ان کی جگہ کوئی پُر نہ کر سکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نے اپنے پیچھے چار لڑکوں، پروفیسر ابو سالم، کلکٹر ابو حاکم، ڈاکٹر ابو غانم، انجینئر محمد اسلم۔ اور پانچ لڑکیوں، بشریٰ، شبنمی، شمیمہ ایم۔ اے، نسیمہ ایم۔ اے اور سلمیٰ پی۔ ایچ۔ ڈی کو چھوڑا۔ رفیقۂ حیات کا ساتھ زندگی ہی میں چھوٹ چکا تھا۔

اور آج ہم ہیں اور ان کی یاد بس!

ہم نے اپنے استاذوں سے سُنا ہے کہ مولانا فراہی فرماتے تھے کہ "جس گرہ کو خود مصنف نہیں کھول پاتا، مولوی شبلی صاحب معلم کی حیثیت سے اس سے کہیں بہتر اس کی گرہ کشائی کر دیتے ہیں۔"

یہ علمی تبحر کی ایک بہت بڑی سند تھی، جو انھیں اپنے وقت کے ایک بے مثال عالم کی طرف سے ملی تھی۔

مولانا حد درجہ نرم دل واقع ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ مدرسہ کے باغ میں کچھ جانور گھس آئے اور درختوں کو نقصان پہنچانا شروع کیا۔ لڑکوں نے دیکھ لیا اور جانوروں کو ڈنڈے مار کر باہر نکالنے لگے۔ اتنے میں مولانا آ گئے، فرمایا۔

"بچو! یہ جانور بے زبان اور بے قصور ہیں انھیں دھیرے سے باہر کر دو۔ قصوروار تو در اصل ان کے مالک ہیں جو ان کی رسیاں کھول کر خود غائب ہیں، ان کو پاؤ تو البتہ ان کو مناسب سزا دو۔"

مولانا نے اظہار نرمی کے ساتھ کتنی دانائی کی بات کہی۔

ایکو
دور حاضر کی بہترین گھریلو دوا
نورانی تیل

ہر قسم کے جسم کے درد چوٹ۔ زخم۔ جلے کٹے کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی۔ مئوناتھ بھنجن (یو۔پی)

عالمِ اسلام

ج۔ ر۔ اعظمی ندوی

ماریتانیہ

جمہوریہ ماریتانیہ الجزائر، مالی، سنیگال اور بحر اٹلانٹک کے درمیان واقع ہے، اس کا رقبہ ۱۱ لاکھ، ۸۰ ہزار مربع کیلو میٹر ہے، اور آبادی ۱۱ لاکھ، ۴۰ ہزار کے قریب۔ برآمدات میں مویشی، مچھلی، لوہا، لونگ، نمک، گوشت اور کھال ہے، یہاں کا سکہ اوقیتی فرنک ہے۔

ماریتانیہ ایک عرب اسلامی ملک ہے جس میں مسلمان سو فیصد ہیں، بولی زبان ماریتانی عوام کی اصلی اور قومی زبان ہے گو کہ عربی کے مختلف لہجے استعمال ہوتے ہیں۔ پہلے یہ ملک فرانس کے زیر اقتدار تھا، ۱۹۶۰ء میں مختار ولد دادہ کی سربراہی میں ملک آزاد ہوا، ۲۸ نومبر قومی دن قرار پایا، دار السلطنت شہر نواکشوط ہے جس کا سنگ بنیاد آزادی کے بعد ۱۰ مارچ ۱۹۵۸ء میں مختار ولد دادہ نے رکھا تھا۔

رومیوں نے زمانہ قدیم میں ماریتانیہ کا اطلاق شمالی مغربی افریقہ پر کیا تھا اور اس وقت موجودہ ماریتانیہ اسلامی خلافت کے زمانہ میں مراکش کا ایک صوبہ تھا، اس ملک کے اکثر باشندے عرب اور بربر نسل سے تعلق رکھتے ہیں یہاں عرب اور بربر میں کوئی تمیز نہیں ہے، عربی زبان سب کی مشترک زبان ہے۔ اس لئے سمجھتے ہیں کہ وہ خالص عربی النسل ہیں، مسجدیں اور دینی مدارس بکثرت ہیں حفظ قرآن کا بھی انتظام ہے، یہاں کے مسلمان عقیدہ میں بہت پختہ ہیں۔

آبادی رقبہ کے لحاظ سے بہت کم ہے اور پورے ملک میں ادھر ادھر منتشر ہے، اس کا خاص سبب یہ ہے کہ یہاں کے لوگ یا تو چلتے پھرتے چرواہے ہیں یا کاشتکار ہیں جو کسی سبزہ زار یا پانی کے قریب ٹھہر گئے ہیں۔ ملک کا ساحل بحر اٹلانٹک کے کنارے ۶۰۰ کیلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے جس کی وجہ سے غیر ممالک سے تعلقات میں بہت سہولت ہے۔

ماریتانیہ کے لمبے چوڑے رقبہ کے باوجود بیسویں صدی سے قبل کوئی خاص اہمیت نہیں تھی، بلکہ ملک میں معدنیات خصوصاً لوہا تانبا کے انکشاف نے لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول کرا دی اور اسکی اہمیت میں اضافہ کر دیا۔ اس کے علاوہ دوسری بھی بہت سی معدنیات ملک میں پائی جاتی ہیں جن میں سے نمک، پٹرول، سیسہ، رانگا، زیتون اور سونا خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

بکری بھیڑ بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے، اونٹ اور گھوڑے بھی بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، غرضکہ ماریتانیہ مغربی افریقہ کے ممالک میں جانوروں کی پیداوار میں بہت سبقت لے گیا ہے۔

زراعت جنوبی علاقہ میں دریائے سنیگال کے کنارے وسیع پیمانے پر ہوتی ہے جہاں ۳ لاکھ کے قریب لوگ زراعت پر گذر بسر کرتے ہیں، وزارت زراعت نے زراعت کو ترقی دینے کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے جس کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے، اور اس کے خاطر خواہ فوائد سامنے آ رہے ہیں۔

ماریتانیہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں اقوام متحدہ کا ممبر چن لیا گیا۔

جزائر القمر

بحر ہند میں واقع جمہوریہ جزائر القمر ایک آزاد اسلامی ریاست ہے جس میں ۳ لاکھ کے قریب نفوس آباد ہیں ان کا تعلق عرب نسل سے ہے، اس ملک کی فوجی اہمیت کے پیش نظر فرانس نے اس پر ۱۸۴۱ء میں قبضہ کر لیا تھا، اس کا قبضہ ۵ جولائی ۱۹۷۵ء تک برقرار رہا، اس سال رائے شماری میں وہاں کے عوام نے فرانس سے آزادی کے حق میں ووٹ دیا تھا اس لئے بروز اتوار ۶ جولائی ۱۹۷۵ء کو جزائر القمر کی آزادی کا یکطرفہ اعلان کر دیا گیا اور احمد عبد اللہ پارلیمنٹ کے ذریعہ ملک کے سربراہ منتخب کر لئے گئے، لیکن ایک مہینہ کے اندر ہی ۳ اگست ۱۹۷۵ء کو فرانس نواز لوگوں نے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

جزائر القمر چار بڑے جزیروں قرکلاں، خزوانہ، موالی اور مایوت پر مشتمل ہے جس کا رقبہ ۲۱۷۱ کیلو میٹر مربع ہے، ۱۹۶۶ء کی مردم شماری کے لحاظ سے اس کی آبادی ۳ لاکھ ۵۷ ہزار ۲ سو ۴۲ تھی جس میں ۳۷ ہزار صرف جزیرہ مایوت میں بستے ہیں، راجدھانی مرونی کی آبادی ۱۳ ہزار ہے، اس سے قبل راجدھانی دراوزی تھی جو کہ جزیرہ مایوت کا سب سے بڑا شہر ہے۔

ملک کی سرزمین بہت زرخیز ہے ناریل کے بڑے بڑے جنگل ہیں اور چاول کافی، مکئی، روئی، چقندر اور گرم ممالک میں پیدا ہونے والے پھل فروٹ یہاں کی خاص پیداوار ہیں ایک لاکھ کے قریب لوگ ترک وطن کر کے دوسرے ممالک میں زندگی بسر کرتے ہیں خاص طور سے مڈغاسکر اور فرانس میں اس کا خاص سبب جزائر القمر میں ضروریات زندگی کے لئے زمین کا ناکافی ہونا ہے ادھر کے چند سالوں میں سیاحت میں ترقی ہوئی ہے جس کے ذریعہ ملک کو کچھ نفع ہونے لگا ہے۔

مذہب اسلام اکثریت کا مذہب ہے اور سواحلی زبان وہیں کی زبان ہے اور تجارتی لین دین میں سواحلی زبان مستعمل ہے، جزائر القمر کے عوام بہت متمدن اور باشعور مسلمان ہیں ان کی ایک مخصوص تہذیب و ثقافت ہے جو اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی ہے، جا بجا جتنے تاریخی قدیم آثار ہیں جس سے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی اہمیت اور اس کی پہنائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ ملک اسلامی وزراء خارجہ کانفرنس اور افریقی اتحاد تنظیم کانفرنس کا ممبر ہو گیا ہے۔

مالدیپ

مالدیپ بحر ہند میں ایک چھوٹی سی حکومت ہے، لنکا کے مغربی ساحل سے ۶۵۰ کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے، یہ حکومت ۱۰۸۷ جزیروں پر مشتمل ہے مگر آباد جزیرے صرف ۲۱۵ ہیں اور بقیہ غیر آباد، البتہ بعض جزیروں کو کاشت اور لکڑی کی پیداوار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، دار السلطنت مالی ہے جس میں صدر کی رہائش گاہ اور سرکاری دفاتر وغیرہ ہیں۔ اس جزیرہ کی آبادی ۱۱ ہزار سے زائد ہے اس میں ۲۹ مسجدیں ہیں۔

آزادی سے قبل اس پر ۱۸۸۷ء سے برطانیہ کا قبضہ تھا لیکن اس کو ۲۶ جولائی ۱۹۶۵ء میں آزادی مل گئی اور ۲۱ ستمبر ۱۹۶۵ء میں اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا۔

آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے — سب مسلمان ہیں، مالدیپ میں اسلام چھٹی صدی ہجری کے وسط میں بعض تاجروں اور شیوخ کے ذریعہ داخل ہوا، اور ان کی کوشش سے ملک کا حاکم مسلمان ہو گیا، یہاں تک کہ پورے باشندے مسلمان ہو گئے۔

مراکش

مراکش شمال مغربی افریقہ میں بحر اٹلانٹک اور بحر ابیض متوسط کے کنارے واقع ہے اس کا رقبہ ۴ لاکھ ۵۱ ہزار، ۵۰ کیلو میٹر ہے، آبادی ایک کروڑ ۵۰ لاکھ سے زائد ہے، جس میں مسلمان ۹۵ فیصد ہیں، اس کے جنوب میں صحرائے مغرب اور جنوب مشرق میں الجزائر واقع ہے، دار السلطنت رباط ہے۔

مراکش پہاڑی سلسلوں اور دریا اور جنگلوں پر مشتمل ہے، جاڑے کے موسم میں بحر اٹلانٹک کے ساحل پر بہت بارش ہوتی ہے، اور گرمی کے موسم میں شاذ و نادر بارش ہو جایا کرتی ہے، اہم دریاؤں میں دریائے ام ربیع اور سیبو ہیں ان کے علاوہ بھی چھوٹے چھوٹے بہت سے دریا ہیں۔

مراکش ترقی پذیر ملک ہے، اقتصادیات میں زیادہ تر زراعت پر انحصار ہے، اٹلانٹک کے ساحل اور اندرونی میدانوں میں مکئی، غلہ، زیتون اور میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں، معدنیات میں فاسفیٹ، پتھر کا کوئلہ، سیسہ، رانگا، تانبا، زنک وغیرہ کی پیداوار میں بہت ترقی کر چکا ہے، مراکش فاسفیٹ پیدا کرنے والا اور برآمد کرنے والا دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے پہلے نمبر پر امریکہ ہے۔

اہم بندرگاہیں، الدار البیضاء، اغادیر، محمدیہ، آسفی، طنجہ، صوالتیں اور ناضور ہیں — اور مشہور شہر فاس، مراکش، مکناس، تطوان، ملیلہ اور سبتہ ہیں۔

۱۶ صوبے ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔ وجدہ، ناضور، حسیمہ، تطوان، تازہ، فاس، مکناس، قنیطرہ، خط السوق، بنی ملال، مراکش، آسفی، ورزازات، اغادیر، طرفایہ، طنجہ۔

ملک میں عرب اور بربر آباد ہیں عرب اکثریت میں ہیں۔ عرب اس ملک میں فنیقیوں کے زمانہ سے آنا شروع ہو گئے تھے، پھر اسلامی فتوحات اور عہد فاطمی میں آئے اور بنو سلیم اور بنو ہلال قبیلے کے لوگ ہجرت کر کے مراکش میں آباد ہو گئے — دوسری طرف اندلس سے جب مسلمانوں کو نکال باہر کر دیا گیا تو انہوں نے آ کر مراکش میں پناہ لی۔

ترکی خلافت کے بعد فرانس نے اس پر قبضہ کر لیا، کچھ علاقے اسپین کے بھی قبضہ میں تھے، لیکن ۱۹۵۶ء میں فرانس اسے آزاد کرنے پر مجبور ہو گیا، آزادی کے بعد سلطان محمد خامس مراکش کے بادشاہ ہو گئے، ۱۹۶۱ء میں ان کے انتقال کے بعد شاہ حسن ثانی تخت کے مالک ہوئے اور پہلی مرتبہ مجلس قانون ساز ۱۹۶۳ء میں بنائی۔ اس وقت ملک انہی کی سربراہی میں ترقی کی راہ پر گامزن ہے، مراکش اقوام متحدہ اور عرب لیگ کا ممبر ہو گیا ہے۔

شاہ حسن ثانی کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کئی بار کوشش کی گئی لیکن شاہ کی وفادار فوج ہمیشہ بغاوت کے فرو کرنے میں کامیاب رہی۔

ملک میں رائج زبان عربی ہے، بربر قوم، عربی اور بربر دونوں زبانوں کا استعمال کرتی ہے۔

معدہ، جگر، اعصاب اور گُردوں کو طاقت دیتی ہے۔
بیماری کے بعد کی کمزوری کو جلد دُور کرتی ہے۔
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

اچھّے نوجوانوں کے اچھّے کام

ہندوستانی مسلمانوں میں خصوصاً نوجوان طبقہ میں بہت سی خامیاں ہیں۔ مگر ساتھ ہی وہ بہت سی خوبیوں کے مالک بھی ہیں۔ ہم نے متعدد بار ان کی خامیوں کی نشاندہی کی اور ان کو صحیح مشورے بھی دئے ہیں۔ اب ہمیں ان کی خوبیوں اور بھلائیوں کو بھی خراج تحسین پیش کرنا چاہئے۔ جنوبی ہند سے ایک مفکر مسلمان نے جو کسی کالج کے لکچرار ہیں ہم کو ایک خط لکھا ہے جس میں مذکور ہے کہ کچھ نوجوان مسلمان جن کو دین کی بھی لگن ہے اور دنیا سے بھی تعلق ہے مسلمان دوکانداروں سے ملتے ہیں اور ان کو بتاتے ہیں کہ وہ اچھا مال مناسب قیمتوں پر فروخت کریں اور گاہکوں سے خوش اخلاقی اور محبت سے پیش آئیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مسلمان دوکاندار تلخ گفتاری پر اتر آتے ہیں اور گاہک کو ان سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اب نوجوانوں نے تربیت کے لئے جو قدم اٹھایا ہے اس کے نتائج بہت اچھے نکل رہے ہیں۔ ایک دوکاندار جو پارچہ فروش ہے اس گاہک سے بُری طرح پیش آتا تھا جو اس کی دوکان پر آئے اور کپڑا نہ خریدے۔ وہ ایسے گاہکوں کو یہ کہہ کر لتاڑ دیا کرتا تھا کہ "تمہاری جیب میں پیسے ہیں یا یوں ہی چلے آئے ہو؟" آج وہ تربیت کے بعد ہر گاہک کی عزت کرتا اور ان سے ہنس کر پیش آتا ہے۔ اگر کوئی پارچہ نہ خریدے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ڈیڑھ ماہ کے اندر جب سے اس نے اپنی روش بدلی ہے مال زیادہ فروخت ہونے لگا ہے اور گاہک خوش ہو کر واپس جاتا ہے۔

وہی صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے ایک روز قریب کے ایک قصبہ میں جانا ہوا۔ زور کی بارش ہو رہی تھی۔ جن صاحب سے ملنا تھا ان کا راستہ کیچڑ سے بھرا پڑا تھا۔ بڑی مشکل سے راستہ عبور کیا۔ پاپوش اور پاجامہ کیچڑ سے لت پت ہو گئے راستہ میں دس بارہ نوجوان کو دیکھا کہ وہ تاش بازی میں مصروف ہیں۔ انہیں دیکھ کر غصہ بھی آیا اور ان کی جوانی پر ترس بھی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً اس گروہ میں شامل ہو گیا اور نوجوانوں سے کہا کہ میں مسافر ہوں یہاں اپنے ایک دوست سے ملاقات کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مگر آپ سے مجھے ایک بات کہنی ہے اور وہ بہت ضروری ہے۔ نوجوانوں نے جب میری بات سنی تو ان میں سے دو نوجوان بولے۔ فرمائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ میں نے محبت بھرے الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوانی دی ہے یہ جوانی بڑی نعمت ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تمہاری جوانی سے خدا کی مخلوق کو آرام پہونچے اور تمہاری جوانی کی قیمت لگے۔ یہ جوانی اس لئے نہیں ہے کہ آپ اپنی کھال میں مست رہیں اور آپ کی طاقت راہِ خدا میں صرف نہ ہو۔ آپ تاش بازی کے لئے جوان نہیں ہوئے آپ اس بوڑھے کا ہاتھ پکڑئے اور اس کو راحت پہونچانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں جو ابھی لکڑی کے سہارے کیچڑ سے لڑتا ہوا بمشکل تمام یہاں سے گزرا ہے۔ پھر میں نے کہا کیا آپ کی جوانی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کیچڑ کے راستہ میں بڑے پتھر اور بڑی اینٹیں یا جو کچھ بھی میسر ہو ڈال دیں تاکہ آنے جانے والے لوگوں کو زیادہ تکلیف نہ ہو اور وہ تم کو دعائیں دیں؟ یہ درخواست میں نے اس انداز میں کی کہ سارے نوجوان متاثر ہو گئے اور انہوں نے کوئی ایک گھنٹہ کے اندر بڑے بڑے پتھروں اور لکڑی سلیپروں کو کیچڑ میں ڈال دیا اور راستہ اتنا صاف ہو گیا کہ آمد و رفت میں کوئی دقت پیدا نہ ہو۔ یہ نوجوان بڑے سعادت مند نکلے کہ میری نحیف آواز پر فوراً عمل شروع کر دیا۔ لوگ تعجب کرتے تھے کہ خدمتِ خلق کی یہ کاروائی کس نے کی۔ جب میں اپنے دوست سے ملاقات کر کے اس راستہ سے واپس ہوا تو راستہ کو ہموار پایا مگر نوجوان پتھر لانے میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا آپ کا بہت ہی بہت شکریہ کہ ہماری جوانی کو ٹھکانے سے لگا دیا۔ راستہ میں ایک مندر بھی تھا عام ہندوؤں نے اس خدمت کو بہت سراہا اور پجاری بھی بہت خوش ہوئے۔ نوجوانوں نے عہد کیا کہ وہ خدمت کے خیال سے ایسے ہی اور بھی کام برابر انجام دیتے رہیں گے۔

اصل میں جو نوجوان اپنا فالتو وقت خرافات میں بسر کرتے ہیں ان کو صحیح کام پر لگانے کے لئے کوئی مصلح ان کے پاس نہیں جاتا بار بار کی افہام و تفہیم سے دلوں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ واعظ بے دل پلیٹ فارم پر گرجتے ہیں مگر ایسے نوجوانوں کے پاس جا کر تلقین نہیں کرتے کہ ان کی جوانی بڑے بڑے کاموں کو انجام دے سکتی ہے۔ ایسے نوجوانوں سے ربط پیدا کرنا اور ان کو کسی خدمت پر لگانا مصلحین کا کام ہونا چاہئے۔

ہم کسی مضمون میں عرض کر چکے ہیں، کہ نوجوانوں کو کیرم اور تاش بازی پر فاسق و فاجر قرار دینا نوجوانوں کو دور پھینکنا ہے۔ آڑے وقت میں یہی لوگ زیادہ کام آتے ہیں یہی گرفتار ہوتے ہیں ان ہی کو پریشان کیا جاتا ہے؛ مگر وہ وقت پر اپنا دماغ کر جاتے ہیں اور ہر آفت کو انگیز کرتے ہیں۔ بہت کم دیکھا ہو گا کہ متقی قسم کے لوگ اور وظیفہ خواں بھی میدان میں نکلے ہوں اور انہوں نے جان پر کھیل کر بے گناہوں کو بچایا ہو۔ یہ نوجوان ہماری دولت ہیں ان سے تعمیری کام بھی لئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ واعظین کرام ان سے رابطہ قائم کریں اور ان کو خدمت خلق کی اہمیت جتائیں۔ کسی پر فتوے جڑ کر الگ ہو جانا دین کی کوئی خدمت نہیں۔ نوجوانوں کو تاک کی ضرورت ہے۔ ان سے غلط کام ہوتے ہیں تو ان سے صحیح کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ نوجوانوں کی یہ داستان ہم نے اس لئے لکھی ہے کہ دوسرے نوجوان بھی وقت اور حالات کی مناسبت سے خدمت کا کوئی اچھا کام کر جائیں۔ کام کرنے والے اپنا میدان خود تلاش کر لیتے ہیں۔ ◆◆

بقیہ صفحہ ۹ : مدارس عربیہ مالابار میں

میں عربی ذریعہ تعلیم لازمی ہے۔ شمال ہند کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں عربی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے مدراس میں انگریزی ہے۔ اس لحاظ سے اس علاقہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

عربی مشاعرے: ظاہر ہے کہ جب عربی اس پیمانے پر پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے تو فکری طور پر صلاحیتوں سے پُر طبیعتیں خاموش نہیں رہ سکتیں چنانچہ یہاں کثرت سے عربی کے شعراء موجود ہیں اور عربی کے نہایت کامیاب مشاعرے ہوتے ہیں۔ یہ مشاعرے دن میں منعقد ہوتے ہیں، فروری ۱۹۶۸ء میں جب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی میٹنگ ہوئی تھی اس موقع پر عربی مشاعرے کی صدارت میں نے کی تھی اس مشاعرے میں ۶۰ شعراء شریک ہوئے تھے اور آخر میں وقت کی مجبوری سے صرف دس منٹ فی شاعر وقت مقرر کرنا پڑا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس پیمانے پر عربی یہاں رائج اور مقبول ہے۔

البتہ یہ احساس مجھے ضرور ہوتا ہے کہ ان شعراء کا کلام کہیں شائع نہیں ہوتا اور نہ ان کے دواوین مرتب کئے جاتے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ یہ کام میں ایک پروجکٹ کے ذریعہ کروں اور ان کے دواوین یونیورسٹی میں محفوظ کرا دوں' یہاں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ فیض کرم ہے عربی مدارس کا۔ اورنیٹل کالج اور پرائیوٹ مدارس کی خدمات قابل قدر ہے۔

عربی اور ملازمت: عربی طلبہ اس کثرت سے پڑھتے ہیں جیسے دوسرے مضامین اگرچہ کالج کی سطح پر ملازمت مشکل ہوتی ہے مگر اسکولوں اور اورنیٹل کالجوں کی سطح پر ملازمت مل جاتی ہے، اتفاق سے مجھے ایک کالج میں حاضری کا موقع ملا پانچ جگہیں تھیں مگر امیدوار صرف ایک تھا جس کے پاس مطلوبہ ڈگری تھی۔ یہ ایک عمدہ نمونہ ہے اور لوگوں کے لئے جو شکایت کرتے ہیں کہ اُردو یا عربی پڑھ کر کیا کریں؟ سوال یہ ہے کہ تاریخ، جغرافیہ اور دوسرے مضامین پڑھ کر کیا کرتے ہیں؟ اگر کثرت سے طلبہ عربی یا اُردو پڑھیں تو خود شعر و تعلیم کا میدان کافی وسیع ہے، اور شکایت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہاں تو میں ایسے بہت سے خاندانوں کو جانتا ہوں کہ ان کا ہر فرد عربی پڑھتا ہے اور سب کو ملازمت بھی مل جاتی ہے۔

عربی مدارس: اس موقعہ پر ایک عظیم الشان کارنامہ ذکر کرنے کو دل چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ کیرالا کا ایک مذہبی و تعلیمی ادارہ سمستا کیرالا سنی جمعیۃ العلماء نے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے ۳۱۲۳ مدرسے قائم کئے ہیں ان میں ایک ہی نصاب تعلیم ہے۔ دینیات اور فقہ شافعی کی تعلیم دی جاتی ہے اور لطف یہ ہے کہ ملایالم رسم الخط میں نہیں بلکہ ان مدارس میں ملایالم عربی رسم الخط میں پڑھائی جاتی ہے، جس کو عربی ملایالم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سنا ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں کتابیں عربی ملایالم میں چھپتی ہیں اور فروخت ہو جاتی ہیں۔ عربی ملایالم واقعی ایک معجزہ ہے اس کو ایک زبردست تنظیم کے ذریعہ زندہ رکھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ طلبہ عربی رسم الخط میں ملایالم سیکھتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں کتابیں عربی رسم الخط میں چھپتی ہیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

سمستا کی طرح "ندوۃ المجاہدین" نے بھی بہت سے مدرسے قائم کئے ہیں جن کی تعداد ۸۰ ہے۔ انہوں نے عظیم کارنامہ یہ بھی انجام دیا ہے کہ بہت سے عربی کالج قائم کر دئے ہیں جو فیض جاری ہیں۔

سمستا جمعیۃ العلماء، ندوۃ المجاہدین، اور دوسری جماعتیں اپنے اپنے طور پر عربی اور اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں ؎

داتا آباد رکھے ساقی تیری محفل کو

پرنٹر پبلشر مسئول سید محمد حسنی نے ... کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی سے طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔
اڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی
کتابت: جلال الدین [illegible]

OATH

I swear to God, my Lord and Creator, and promise that :

(1) If a student, my endeavour shall be directed to intellectual development, betterment of society and service of humanity, and to become a law-abiding citizen capable of leading the Country in future. I shall refrain from violence and breaking the law of the land and dedicate myself to the acquisition of education and service of my Country ;

(2) If an employee, my objective shall be hard and honest work with a view to serving the people. I shall avoid helping myself illegally and indulging in nepotism, slackness and injustice ;

(3) If a trader, I shall abstain from hoarding and profiteering and shall not indulge in economic expoitation of the masses ;

(4) If a teacher, a journalist, a writer or a poet, I shall apply my talents in furtherance of such ideas and ideals which promote humanitarian feelings and keep in check the frailty of human nature, unmannerliness, violence, antipathy, misanthropy and destructive tendencies ;

(5) If I am charged with any public responsibility, I shall strive, within the sphere of my authority, to restore justice to those whom it has been denied ;

(6) To whatever class or section of society I may belong, I will love my Country and extend my love and kindliness, friendship and assistance to all my countrymen, and that,

(7) I shall take interest and co-operate, as far as possible, with the All-India Payam-i-Insaniyat Forum in its programme to salvage the Country from the prevailing ill-will amongst the people and their moral decadance.

Signature ____________

Name ____________ Profession ____________

Full Address ____________

____________ (contact on the following address)

Payam-i-Insaniyat Forum, P.O. Box 93, Nadwa, Lucknow. (Telephone No, 22948)

کُل ہند حلقۂ پیامِ انسانیت

حَلَف

دستخط ....

پورا نام .... پیشہ ....

مکمل پتہ ....

(فی الحال اس پتہ پر رابطہ قائم کریں)

حلقۂ پیامِ انسانیت، پوسٹ بکس ۹۳، ندوہ، لکھنؤ (ٹیلیفون 22948)

अखिल भारतीय पयामे इन्सानियत फोरम

शपथ

हस्ताक्षर ____________

पूरा नाम ____________

व्यवसाय ____________

पूरा पता ____________

इस पते पर संपर्क स्थापित करें—

पयामे इन्सानियत फोरम—पो. बा. ९३, नदवा, लखनऊ-७